ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے **مقدمہ** کے تناظر میں ارباب علم ودانش کی

عدالت میں استغاثہ

قرآن وسنت کے دلائل سے مزین، انتہائی دیدہ زیب کتاب

غامدیت کیا ہے؟

سنسنی خیز انکشافات — حیرت انگیز معلومات

تائیدات وتقریظات

- حضرت مولانا قاضی ظہور حسین اظہر صاحب (چکوال)
- حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب (کراچی)
- حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلال پوری (کراچی)
- حضرت مولانا محمد ازہر صاحب (ملتان)
- حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب اوکاڑوی (ملتان)
- حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب (گوجرانوالہ)
- حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب ترمذی (ساہیوال)
- حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب (جھنگ)
- حضرت مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی صاحب (بہاولپور)
- حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب چشتی اوکاڑہ

مرتب: خادم اہلسنت: **عبدالرحیم چاریاری**

خلیفہ مجاز پیر طریقت حضرت مولانا ابو معاویہ
سید محمد امین شاہ رحمۃ اللہ علیہ
فاضل دیوبند

ناشر
جامعہ حنفیہ امداد ٹاؤن
شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد۔ پاکستان

کل الحقوق محفوظہ

نام کتاب:۔ غامدیت کیا ہے؟

ترتیب :۔ خادم اہل سنت: محمد عبدالرحیم چاریاری

طباعت :۔ اول

تصحیح :۔ مفتی محمد اعظم ہاشمی صاحب

ناشر :۔ جامعہ حنفیہ، امداد ٹاؤن، شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد

﴿ملنے کے پتے﴾

1:۔ مکتبہ اہل سنت، 12 رسول پلازہ، امین پور بازار، فیصل آباد

2:۔ دفتر تحریک خدام اہل سنت مدنی مسجد، چکوال

3:۔ دفتر ماہنامہ حق چاریار رضی اللہ عنہم مدینہ بازار، ذیلدار روڈ، لاہور

4:۔ مکتبہ قاسمیہ، مکتبہ سید احمد شہید، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

5:۔ مکتبہ عارفی، جامعہ امدادیہ، ستیانہ روڈ فیصل آباد

6:۔ کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی

7:۔ جامع زکریا، مخدوم پور، پہوڑاں ضلع خانیوال

8:۔ مکتبہ امدادیہ، ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان

9:۔ مکتبہ عمر فاروق، نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

10:۔ مکتبہ اہل سنت والجماعت، چک نمبر 87 جنوبی، سرگودھا

11:۔ مکتبہ مدنیہ نزد تبلیغی مرکز، بہاولپور

12:۔ دار العلوم دینیہ، پتوکی ضلع قصور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
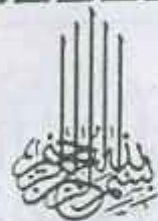
انما بعثت معلما

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم

صل علی محمد وعلی آل محمد

کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

اللّٰھم

بارک علی محمد وعلی آل محمد

کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم

انک حمید مجید

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

خدام اہل سنت کی دُعا

از قلم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ

خدایا اہل سنّت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص وصبر وہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآن کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول ؐ اللہ کی سنّت کا ہر سُو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروںؓ کی صداقت کو
ابو بکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہل بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواجؓ نبی پاکؐ کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچم اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچم اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبۂ کامل

ہو آئینی تحفظ ملک میں ختم نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسول پاکؐ کی عظمت ، محبت اور اطاعت کی

ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے
تیری راہ میں ہر ایک سُنّی مسلماں وقف ہو جائے

تیری توفیق سے ہم اہل سنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرؔ ناداں
تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری رضواں

اِنتساب

اِمام المتکلمین ، قائدِ اہلسنت ، وکیلِ صحابہؓ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

خلیفہ مجاز

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

کے نام کرتا ہوں

یکے از خدام : پیر طریقت قطب العصر مولانا ابو معاویہ
سید محمد امین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دیوبند)
عبدالرحیم چاریاری

||||| آئینہ مضامین |||||

تقریظ

جانشین قائد اہل سنت، پیر طریقت، وکیل صحابہ **مولانا قاضی ظہور حسین اظہر مدظلہ** (چکوال)

امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان

بسم اللہ حامدًا ومصلیًا ومُسلّمًا!

آج کے ترقی یافتہ دور میں مطالعہ وتحقیق کا رجحان بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جس کی ضرورت وافادیت سے کسی ذی شعور کو انکار نہیں ہوسکتا۔ تاہم اُمت کے منتخب اہل علم کی اکثریت کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ مطالعاتی ذوق بسا اوقات جادۂ مستقیم سے انحراف کا باعث بن جاتا ہے۔

یہی معاملہ قریب زمانہ میں جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ودیگر جدید اہل تحقیق کے ساتھ ہوا۔ اور اسی صورتحال سے ٹی وی گفتگو کے ذریعے شہرت پانے والے جناب جاوید احمد غامدی صاحب دوچار ہوئے ہیں۔ موصوف نئی تحقیق میں اُمت مسلمہ کے تواتر کو نظر انداز کرتے ہوئے بیسیوں مسلمہ نظریات میں الگ رائے قائم کرتے ہیں اور ایسے دور میں جب کہ اتحاد واتفاق کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے۔ انتشار وافتراق کا باعث بن رہے ہیں۔

غامدی صاحب کے اپنے نظریات پر اہل علم کی جانب سے گرفت کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ ''غامدیت کیا ہے؟'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جسے مولانا عبدالرحیم چار یاری زید مجدھم نے ترتیب دیا ہے۔ چند قابل توجہ امور کی طرف نشاندہی کردی گئی ہے۔ مزید گنجائش بھی باقی ہے۔

تاہم امید ہے کہ چار یاری صاحب کی یہ کاوش غامدی صاحب کی فکر سے

متاثرین کی اصلاح و توجہ کا باعث ثابت ہوگی۔

اور یہ بھی توقع ہے کہ جو احباب غامدی صاحب کی تائید و توثیق کو اپنے نکتہ نظر میں درست خیال کرتے ہیں۔ اپنے رائے پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

قاضی ظہور حسین اظہر

25-10-2009

تقریظ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت اقدس مولانا **مفتی محمد زرولی خان** دامت برکاتہم العالیہ

مدیر الجامعۃ العربیہ احسن العلوم، گلشن اقبال، کراچی

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

دیکھا جائے تو دور حاضر نئے نئے فتنوں کے ظہور و شیوع اور فتنہ پردازوں کے اضلال و گمراہی کا دور ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر روز طلوع ہونے والا سورج اپنے ساتھ کسی ایک فتنہ کو ساتھ لاتا ہے اور ہر فتنہ پہلے سے بڑھ کر مہلک و خطرناک ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اتفاق نہیں بلکہ تکوینی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اُمت کو آج سے ساڑھے چودہ سو سال پیشتر ان فتنوں کی اطلاع دیتے ہوئے ان سے احتراز و اجتناب کی تلقین فرمائی۔

چنانچہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے قرب قیامت میں ظاہر ہونے والے ایسے تباہ کن اور مہلک فتنوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

”بادروا بالاعمال فتناً کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مومناً ویمسی کافراً ویمسی مومناً ویبیع کافراً، یبیع دینہ بعرض الدنیا“

صحیح مسلم، ج۲، ص ۳۸۸

ترجمہ: ”ان فتنوں سے پہلے پہلے اعمال کرلو، جو اندھیری رات کی مانند ہوں گے، چنانچہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر، آدمی معمولی دنیا کے بدلے اپنی (متاع) دین و ایمان فروخت کردے گا“۔

دیکھا جائے تو یہ سب کچھ آزاد فکری، ذہنی انتشار، اکابر و اسلاف پر عدم

اعتماد، خود پسندی اور خود بینی کے مہلک اثرات وثمرات ہیں۔

سب سے تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ان فتنوں اور فتنہ پردازوں کی سرکوبی کے بجائے ان کی ہمت افزائی کی جارہی ہے۔ اگر یہ سب کچھ لادین افراد، عناصر اور جماعتوں کی طرف سے ہوتا تو شاید اتنا افسوس نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ بعض پڑھے لکھے اور داعیان علم وفضل بھی خواہی نہ خواہی نہ صرف ان سے چشم پوشی برت رہے ہیں، بلکہ خاموش تائید کے علم بردار ہیں۔

ہمارے اس دور میں ٹی وی کے شہرت یافتہ انکار حدیث بلکہ انکار دین کے داعی، نام نہاد مفکر بالفاظ دیگر سکہ بند ملحد جاوید احمد غامدی نے انکار دین کی جس تحریک کا جھنڈا اٹھا رکھا ہے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ کے پوتے اور مشہور وسیع النظر اسکالر علامہ زاہد الراشدی شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم کے بڑے بیٹے حافظ محمد عمار خان ناصر صاحب اس کے ترجمان اور اس کے الحادی فکر کے داعی ومنادی ہیں۔

اس لئے مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب لاہور، مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب، مولانا ڈاکٹر رفیق احمد صاحب اور ماہنامہ وفاق المدارس ملتان پاکستان کے ارباب حل وعقد نے اس فتنہ کے بانی مبانی اور اس کے خوشہ چیں حافظ محمد عمار ناصر صاحب کی فکری لغزشوں کی نشاندہی اور ان کے الحادی یلغار کے سامنے بند باندھنے کی اپنی سی کوشش کرتے ہوئے، مختلف مضامین ومقالات کے ذریعہ اس کے برخود غلط فکری وفلسفہ کے تار پود بکھیرنے، اس کے دجل وتلبیس اور لفظی ہیر پھیر، نصوص قطعیہ سے انحراف، ان سے قطع وبرید اور دجل وتلبیس کی نشاندہی فرمائی ہے۔

فجزاهم الله عنا و عن سائر المسلمين خير الجزاء

چونکہ ملحد جاوید احمد غامدی کے فکر وفلسفہ کی اشاعت وتدوین کے لئے جناب عمار خان ناصر نے ''حدود وتعزیرات'' نامی کتاب تصنیف کی ہے اور اس پر مولانا زاہد الراشدی زید لطفہ نے تقریظ یا مقدمہ لکھ کر کسی قدر ان کی حوصلہ افزائی سی کی ہے۔ اس لئے جناب مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب فیصل آباد نے ان کی اس بے جا حوصلہ افزائی کا استغاثہ اہل علم کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ان سے درخواست کی ہے کہ کم از کم آپ جیسے صاحب علم وفضل کو ایسا زیب نہیں تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں موصوف نے مولانا علامہ زاہد الراشدی صاحب کی جانب سے ایسی دوسری بے محل اور دوسرے باطل پرستوں کی کتب پر ان کی تقریظات پر بھی احتجاج ریکارڈ کرایا ہے۔

الغرض اس اعتبار سے مولف موصوف کی کاوش قابل قدر ہے کہ انہوں نے نہایت سلیقہ سے مولانا موصوف کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب جہاں اُمت مسلمہ کو فتنہ غامدیت کے اضلال وگمراہی سے بچانے کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ وہاں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کو اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کا سبب بھی ثابت ہوگی۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مفتی محمد زرولی خان

21-10-2009

تقریظ

جانشین حضرت لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ترجمان اہل سنت مولانا **سعید احمد جلال پوری** مدظلہ

مرکزی راہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آج کل فتنوں کا دور ہے اور ہر روز ایک نیا فتنہ وجود میں آتا ہے۔ دور حاضر میں یوں تو بہت سارے فتنے اور فتنہ پرداز ہیں۔ مگر ان سب سے نمایاں ٹی وی کے شہرت یافتہ جاوید احمد غامدی صاحب بالقابہ ہیں۔

موصوف کی فکری کج راہیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ مختصر یہ کہ وہ مُسلّمات اُمت کے باغی ہیں اور ہم جنس پرستی جیسے فواحش کے مجوز ہیں۔ وہ حد رجم کے قائل نہیں۔ وہ سزائے ارتداد کے منکر ہیں اور اجماع امت اور حدیث سے نالاں اور خفا ہیں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جناب مولانا عبدالرحیم چار یاری صاحب کو جنہوں نے اس ملحد کے تعاقب میں ''غامدیت کیا ہے؟'' کے عنوان سے قلم اٹھا کر اس کے الحاد کو طشت از بام کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

طرز ارلالباب یا بالطبع غامدی کے ذہنی و فکری ہمنواؤں اور خاموش تائید کنندگان کو بھی اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کی ہے۔ خدا کرے کہ یہ کتاب ان طبقات ثلاثہ کے علاوہ عامۃ المسلمین کے دین وایمان کے تحفظ کا ذریعہ بھی ثابت ہو۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

سعید احمد جلال پوری

21-10-2009

تقریظ

فخر اہل سنت مولانا **محمد ازہر** صاحب مدظلہ۔ مدیر ماہنامہ ''الخیر'' خیر المدارس، ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ٹی وی اور میڈیا کے شہرت یافتہ جناب جاوید احمد غامدی متعدد اساسی مسائل میں جمہور اُمت کے راستے سے کٹے اور ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کی گمراہی و کجروی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ہم جنس پرستی کو بھی جبلی اور فطری عمل قرار دیا ہے۔

اس فکر و ذہنیت کا حامل شخص جو دوسرے مسائل شرعی پر رائے زنی کرے گا تو اس کی کج فہمی اور کجروی ان مسائل میں بھی نمایاں ہوگی۔

برادر مکرم حضرت مولانا عبدالرحیم چار یاری زید مجدہم نے ''غامدیت کیا ہے؟'' میں غامدی صاحب کے انکار حدیث، تجدد، اجماعی مسائل سے انحراف اور فکری لغزشوں کا تعاقب کیا ہے۔ اس ضمن میں کچھ ایسی شخصیات بھی زیر بحث آ گئی ہیں۔ جو غامدی صاحب کی سو فیصد ہمنوا تو نہیں ہیں۔ مگر ان کے بعض ارشادات و نگارشات سے فکر غامدی کی تائید یا تحسین کا پہلو نکلتا ہے۔ ان کے حق میں ہماری دعا ہے کہ خدا کرے وہ اس کتاب کا خالی الذہن ہو کر مطالعہ فرمائیں۔ اور اس کی برکت سے ایک کج فکر اور منکر حدیث شخص کی اتباع اور تصویب و تحسین سے بچ جائیں۔ والسلام

محمد ازہر، خیر المدارس، ملتان

20-10-2009

تقریظ

جانشین حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا **مفتی محمد انور** اوکاڑوی مدظلہ، خیرالمدارس، ملتان

قارئین کرام! دور حاضر کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو منتخب کیا ان میں امام اہل سنت و پاسبان مسلک حق حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ کا اسم گرامی نصف النہار کے سورج کی طرح چمکتا رہے گا۔ کون سا وہ فتنہ ہے جس کی انہوں نے سرکوبی نہیں کی۔ انہی فتنوں میں سے ایک فتنہ ''مودودیت'' ہے۔ جس کو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ عظیم قلمی فتنہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''مودودی صاحب نے اسلام کی بزرگ ترین ہستیوں، مثلاً حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئمہ دین رحمہم اللہ، کو (معاذ اللہ) اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ حضرت آدم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت یونس اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے بارے میں انہوں نے جو نازیبا کلمات اور نظریات پیش کیے ہیں وہ ان کی مایہ ناز تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں موجود ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اپنے دیگر مضامین کے علاوہ ''خلافت وملوکیت'' میں جو کچھ کہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیعہ حضرات سلجھے ہوئے انداز میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے اور نہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ کی پوری جماعت پاکستان بھر میں سو سال تک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ اعتماد نہ اٹھا سکتی تھی جو تنہا مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں اٹھا کر اپنے نفس پر ظلم کر ڈالا ہے۔ تو بے جا نہ ہوگا''۔ (مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ اور ان کے چند دیگر غلط نظریات ص ۳، ۴) اور پھر مودودی صاحب کا

لاہوری مرزائیوں کو یہ کہنا کہ ''نہ تو مسلمان ہیں نہ کافر'' اس کی دلائل قاہرہ سے تردید کی ہے اور ص ۶ پر اس فتویٰ کو باطل اور مردود کہا ہے۔ نیز مودودی صاحب کے اس قول کو کہ ''کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں'' (رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۴۸) نقل کر کے اس کو غیر اسلامی نظریہ قرار دیتے ہیں۔ (غلط فتویٰ، ص ۸) نیز حضرت فرماتے ہیں کہ مودودی صاحب لاہوری مرزائیوں کے کفر میں متأمل ہیں۔ بلکہ کفر و ایمان میں ان کو معلق مانتے ہیں۔ بلکہ اپنے منشور میں ایسی دفعہ رکھی ہے جس سے لاہوری مرزائی مسلمان قرار پاتے ہیں۔ (غلط فتویٰ، ص ۲۴) نیز حضرت مزید باطل نظریات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ ہم بھی اپنے اکابر کی پیروی میں مودودی صاحب کو گمراہ سمجھتے ہیں۔ (غلط فتویٰ، ص ۴۸) لیکن حضرت امام اہل سنت کی تمام مساعی جمیلہ پر پانی پھیرتے ہوئے ان کے فرزند ارجمند مولانا زاہد الراشدی ہر بدعتی کی کتاب کی تقریظ لکھنے کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمہ وقت تیار بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ایک مودودی مولوی معین الدین خٹک کی ''معین القاری شرح صحیح البخاری'' پر بھی تقریظ لکھتے ہوئے ان کے طرز تدریس کو حضرت گنگوہی، حضرت سید انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہم اللہ کے طرز تدریس کے تسلسل اور ہزاروں مدارس کی مستحکم روایت کی حیثیت سے بیان فرماتے ہیں اور ان کی محنت کی داد دیتے ہیں۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ مصنف نے جمہور کا ساتھ دینے کی بجائے مودودی صاحب کا دفاع کیا۔ تو جو شخص جمہور سے کٹ جائے اس کے دروس کو طلبہ اور اساتذہ کے لئے خاصی افادیت کے پہلو سے متعارف کرانے کی کیا ضرورت پڑی ہے۔ پھر مودودی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ میری

طالب علمانہ رائے میں اگر مودودی صاحب کے تفردات کو بھی دوسرے اہل علم کے تفردات کی طرح تفردات کے درجے میں رہنے دیا جاتا اور انہیں مستقل موقف کی حیثیت دے کر ان کے اثبات ودفاع میں اس درجہ شدت اختیار نہ کی جاتی تو اس معاملہ میں بہت سے بگاڑ سے بچا جاسکتا تھا۔ (معین القاری، ج ۳، ص ۵۰، ۵۱)

پوری اُمت نے اور امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے جن نظریات کو گمراہی اور فتنہ قرار دے کر مودودی صاحب کو گمراہ قرار دیا۔ مولانا زاہد الراشدی ان کو اہل علم کے تفردات میں شامل کر کے جملہ اکابر اور حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ پر صرف پانی نہیں پھیر رہے بلکہ اس کو دین میں بگاڑ سے تعبیر کرتے ہیں۔ انتہائی افسوس کی بات ہے۔ تمام اکابر کی طرح حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ حاضر ناظر کی تردید پر مستقل کتاب لکھی اور راہ سنت میں انگوٹھے چومنے کی تردید کی، نماز کے بعد دعا کے بدعت ہونے پر ایک رسالہ شائع کرایا۔ غیر اللہ کے مختار کل ہونے کی نفی کرتے رہے اور مولانا زاہد الراشدی صاحب بجائے اس مشن کو آگے بڑھانے کے انہی بدعات والی کتابوں کو حسن ذوق قرار دے کر ان کی قبولیت اور ان کے نفع بخش ہونے کی دعائیں اپنی تقریظ میں لکھتے ہیں۔

(انوار خاص، ص ۲۲۵) اسی طرح حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اسلام، انکار حدیث کے نتائج اور شوق حدیث جیسی کتابیں لکھ کر فتنہ انکار حدیث کا ناطقہ بند کردیا۔ مگر دور حاضر کے منکر حدیث جاوید غامدی اور اس کے شاگرد عمار بن زاہد الراشدی کے نظریات سے مولانا زاہد الراشدی مرعوب ہو کر ان کی بعض کتب پر بھی تقریظات لکھ رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ماہنامہ ''وفاق المدارس'' نے بھی مولانا

کو کچھ متنبہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہر حال مولانا کو اپنے اس رویہ پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ بہر حال جب تک وہ اپنے اس رویہ کو تبدیل نہ کریں عوام جمہور اہل سنت سے ہی وابستہ رہیں۔ اور ایسی تقریظات سے متاثر نہ ہوں۔ مولانا عبدالرحیم چاریاری نے کتاب ''غامدیت کیا ہے؟'' لکھ کر مسلک اہل سنت والجماعت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین اور اکابرین علماء دیوبند کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتبہ محمد انور اوکاڑوی عفی عنہ

20-10-2009

تقریظ

استاذ العلماء حضرت مولانا **مفتی محمد عیسیٰ** صاحب مدظلہ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین آمنو التقوا اللہ و کونوا مع الصادقین O سورۃ التوبہ

راقم الحروف نے یہ رسالہ عقائد اہل سنت اور مولانا زاہد الراشدی صاحب نوازشات کا مطالعہ کیا۔ فرق باطلہ پر نشاندہی اور ایک اہم اور اچھی کوشش ہے۔ جس کا نام ”فرق باطلہ کی نشاندہی اور ان سے برأت“ ہونا چاہیے۔ لیکن اس میں کسی شخص کو نامزد کرنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مقاصد سے ہٹ کر ایک شخصی مسئلہ بن جاتا ہے اور اس کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مولانا موصوف نے عطا قاضی کے منظوم اردو ترجمہ مفہوم القرآن پر تقریظ لکھتے وقت اس کی قادیانیت سے مطلع نہیں تھے اور اسی طرح پروفیسر عبدالماجد مشرقی کے رسالہ ”انوار خاص“ کی مدرجات کا آپ کو پیشگی علم نہ تھا مولانا صاحب کا نہ یہ مسلک ہے اور نہ ہی اس کے معین ہیں۔

مودودی صاحب کی لغویات اور گمراہ کن عقائد ونظریات کو تفردات سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ راقم الحروف نے حضرت شیخ مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے اقتباسات سے ایک رسالہ بنام ”مولانا مودودی اپنی تفسیر اور تحریر کے آئینہ میں“ مرتب کیا تھا۔ جسے حضرت شیخ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے بہت پسند فرمایا تھا جو کہ قابل دید ہے۔

مسٹر جاوید غامدی نے سرسید احمد خاں، مرزا قادیانی اور غلام احمد پرویز کی طرح الحاد وزندیقہ کا نیا دروازہ کھولا ہے۔ حدود خداوندی کا انکار اور حدود تو اسلام کا طرہ امتیاز اور حکومت اسلامیہ کا خصوصی شعار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین میں فتنہ اور فساد کی انسداد کا واحد ذریعہ بھی ہے اور مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کشائش کا باعث بھی ہے۔ اس طرح کے محرف اور ملحدین کا ظہور ہر دور میں ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ علماء کرام بے خوف وخطر اللہ تعالیٰ کے دین پر شاہد بن کر اپنا فریضہ ادا کریں۔ رواداری اور مداہنت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مدنظر رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خصوصی تاکید فرمائی کہ ہوا پرست اور راہ سے گمراہ کن لوگوں کے فتنہ سے بچ کر رہیں۔ کہیں یہ لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے ہٹا نہ دیں۔

آنحضرت ﷺ اس طرح کے واقعات میں اپنے نوجوان کو غلام زادہ لاڈلے صحابی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو جھڑک دیا تھا کہ جب ایک چوری کرنے والی یہودی عورت کے حق میں سفارش کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سفارش کرتا ہے۔

اگر آج محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو (معاذ اللہ) میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حدود کو اتنا مقام اور مرتبہ حاصل ہے کہ جس میں پیغمبر اسلام ﷺ کو بھی سفارش کرنے کا مجاز نہیں بنایا گیا۔

قوی امید ہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ اپنے بیٹے حافظ عمار خان ناصر کو سختی سے باز رکھیں گے۔ واللہ الموافق

چودہ سو سال سے اُمت کے متفقہ علیہ منصوص حدود اور احکامات جو واجب التسلیم ہیں۔ علمی تحقیق کے لئے ویسے ہی میدان خالی پڑا ہے۔

کم ترک الاولون ولآخرین

محققین علماء کرام نے بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے تحقیق کا کافی ذخیرہ چھوڑا ہے۔ مولانا عبدالرحیم چار یاری کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے غامدی صاحب کے ملحدانہ عقائد ونظریات پر مدلل تفصیلی مقالہ لکھ کر تمام اہل علم کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید دین کی خدمت سے نوازیں۔ آمین

فقط۔ (مفتی) محمد عیسیٰ عفی عنہ

جامعہ مفتاح العلوم، نوشہرہ سانسی گوجرانوالہ

۷، ذیقعدہ، ۱۴۳۰ھ

بمطابق 26، اکتوبر 2009ء

تقریظ

جانشین شیخ القرآن حضرت ترمذی رحمہ اللہ حضرت مولانا **مفتی عبدالقدوس** ترمذی صاحب مدظلہ

مدیر جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد والصلاۃ مخدوم ومکرم حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب مدظلہم نے اپنی تازہ ترین کتاب ''غامدیت کیا ہے؟'' احقر کو دکھائی احقر سفر کی جلدی کی وجہ سے اس کا مطالعہ نہیں کرسکا۔ لیکن سرسری نظر سے دیکھ کر اور زبانی ان سے سن کر اندازہ ہوا کہ عہد حاضر کا ایک فتنہ غامدیت انہوں نے اس پر یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ واقعۃً اس کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے ہر طرح سے کوشش کی جائے۔ عدم تقلید اور اکابر پر عدم اعتماد بڑا فتنہ ہے۔ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے افکار ونظریات کو علماء حق اہل سنت والجماعت کے مطابق رکھیں اور گمراہ اور گمراہ کن فتنوں سے بچیں۔ حضرت مولانا چاریاری صاحب نے اسی سوچ کے تحت یہ کاوش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ گم گشتگان ہدایت کے لئے اسے نافع اور قبول فرمائیں۔ سردست احقر انہی سطور پر اکتفا کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تفصیلی مطالعہ کے بعد عرض کی جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہٗ حال وارد جامعہ رشیدیہ جھنگ

29۔ شوال 1430ھ

تقریظ

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا **عبدالرحیم** صاحب مدظلہ، جامعہ محمودیہ جھنگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دور حاضر کا جدید فتنہ ''ڈاکٹر جاوید احمد غامدی'' کے گمراہ کن عقائد و نظریات، آزاد خیالی، تجدد پسندی، اور سلف صالحین اور اجماع اُمت پر بداعتمادی کا اظہار تشویشناک بھی ہے اور خطرناک بھی۔ جو مسلمانوں کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے۔ اور اس سے بچنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس ضرورت کو بھانپ کر حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب مدظلہ العالی نے ''غامدیت کیا ہے؟'' کتاب لکھ کر مسلک حق اہل سنت والجماعت کے دفاع کی پوری کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جدید فتنوں کے شرور سے محفوظ فرمائے اور مسلک حق پر استقامت نصیب فرمائے اور اکابرین کے نقش قدم پر چلائے۔ اور مولانا کو جزآئے خیر نصیب فرمائے۔

عبدالرحیم غفرلہ

خادم طلباء جامعہ محمدیہ ضلع جھنگ

29۔شوال 1430ھ

مطابق 19-10-2009

تقریظ

الحمد لِلّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علی خاتم الانبیاء والمُرسلین وَعلَی الخُلفاء الرّاشدین المھدیّین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین وَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلیٰ اَعْدَآءِ الدِّیْنَ الْکَافِرِین ٥ وَالْقَادِیَانِیِّیْنَ وَالرَّافِضِیِّیْنَ وَالْخَارِجِیِّیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ امابعد!

فقد قال رسول اللّٰہ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ (ابن ماجہ، ص ۲)

مذکور حدیث شریف کی روشنی میں شریعت اسلامیہ سے متصادم جو بھی عقائد و نظریات اور رسوم و بدعات اختیار کئے جائیں گے۔ وہ مردود ہیں۔

جیسے غلط نظریات پھیلانے والے شب و روز جہنم میں جانے کا سامان بنا رہے ہیں۔ اسی طرح جنتی آدمی کے بارہ میں حدیث شریف ہے۔ لَایَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرَسًا یَّسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ (ابن ماجہ، ص ۲) حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہمیشہ سے اللہ کا طریقہ ہے کہ وہ اس دین میں (اس کی پرورش و حفاظت کے لئے) پودے لگاتا رہتا ہے۔ (یعنی مصلح افراد پیدا کرتا ہے) جن کو اپنی تابعداری اور دین کی آبیاری میں استعمال کرتا ہے۔ جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں تو اسے استعمال کرتے ہیں۔ صحابہ کرام کے سوال پر نبی کریم علیہ السلام نے جواب دیا۔ یُوَفِّقُہٗ بِعَمَلٍ خَیْرٍ (مشکوٰۃ، ص ۴۵۱) کہ اللہ تعالیٰ اسے نیک کام کی توفیق مرحمت فرماتے ہیں۔

غلط اور باطل نظریات کی توفیق الٰہی ہے اور یہ توفیق بحمداللہ علماء حق، علماء دیوبند کا مقدر ہے۔ جس پر سنی قوم کو ناز ہے۔

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ☆☆☆ نسیم صبح تیری مہربانی

تکوینی طور پر دین کے محافظ پیدا کرنے کی وجہ واضح ہے کہ حدیث شریف میں ہے۔اِنَّ اللّٰہ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا ...... وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا (مشکوۃ،ص۳۲) کہ جوفرائض دین اورحدود دین کی حفاظت کریں گے کیونکہ دین کے فرائض کوضائع کرنا جائزنہیں۔اسی طرح دین حق کی کچھ حدود ہیں۔ جنہیں کراس کرنا جائزنہیں۔مگرافسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ دیار اسلام میں دین اسلام کے ساتھ جوبدسلوکی کی جارہی ہے۔اس پرحالی کاقول آتا صادق ہے۔

؎ وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

چونکہ علم ،علماء حق کی گردن پرامانت ہے۔بقول علامہ طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اَلْعِلْمُ اَمَانَۃٌ فِیْ عُنُقِ الْعُلَمَاءِ (حاشیہ طحطاوی علی المراقی،ص۵۳۵)اس امانت کی ادائیگی میں ردفتنہ غامدیت پرمحققانہ قلم اٹھانے میں مسلسل جدوجہداور بھرپورسعی پراحقر مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب دام ظلہم کوصمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

حَمَاہُ اللّٰہُ عَنْ شَرِّ النَّوَائِبِ...... فَجَزَاہُ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ خَیْرًا

اس موجودہ فتنہ غامدیت پربطورتبصرہ ڈاکٹراقبال مرحوم کامشہورفقرہ کافی ہے۔

؎ خودبدلتے نہیں قرآں کوبدل دیتے ہیں۔

احقر نے ’’غامدیت کیا ہے؟‘‘ کتاب بغورملاحظہ کی ہے۔پروف ریڈنگ کرنے کے دوران کچھ اصلاحات کرنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی۔بحمداللہ اپنے موضوع پرخوب سے خوب تر ہے۔

؎ اللہ کرے زورقلم اورزیادہ

نیز یہ کتاب مولانا چاریاری کا خواندہ ناخواندہ طبقہ دونوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

اہم نصیحت

ہم سب کوچاہیے کہ اپنے بڑوں کی تحقیق پراعتماد کریں،جیسا کہ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت فرمائی ہے۔عَلَیْکَ اَنْ تَقْتَدِیَ بِالَّذِیْنَ قَبْلَکَ (تنبیہ الغفلین،۱۲۸،عربی باب الرحمۃ والشفقۃ)

اے مخاطب تجھ پرلازم ہے کہ اپنے سے پہلے لوگوں (ہدایت یافتہ علماء حق) کی اقتداء کر۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولف مکرم کے اس اظہارحق کومعاندین جاحدین ڈاکٹر غامدی کے مؤیدین کے لئے سامان ہدایت بنائے۔بالخصوص مولانا زاہدالراشدی صاحب کے بیٹے عمارخان کیلئے

’’بھٹکے ہوئے آہوکوپھرسوئے حرم لے چل‘‘

کامصداق ثابت ہو۔آمین بجاہ النبی الکریم ، برحمتک یا ارحم الراحمین

محمداعظم ہاشمی غفرلہ الغنی

☆ خادم الافتاء۔جامعہ حنفیہ،امدادٹاؤن،شیخوپورہ روڈ،فیصل آباد

☆ 〃 جامعہ عربیہ تعلیم القرآن،مرکزی جامع مسجد جناح کالونی،فیصل آباد

☆ 〃 مدرسہ الفتح،گلی نمبر5،ایوب کالونی نمبر1،جھنگ روڈ،فیصل آباد

☆ 〃 مدرسہ قاسم العلوم،چک نمبر126،نیکوکارہ،تحصیل وضلع چنیوٹ

۲۹،اکتوبر2009ء

تقریظ

فاضل نوجوان حضرت مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی صاحب مدظلہ

مدرس و نائب مفتی دارالعلوم مدنیہ، بہاولپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

آج مورخہ ۳۰ شوال ۱۴۳۰ھ بروز بدھ، حضرت اقدس مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے اور اپنی کتاب ''غامدیت کیا ہے؟'' دکھائی۔ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھنے اور اُمت کو اس فتنہ کی خطرناکی سے آگاہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ جس کو حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری صاحب نے بحسن وخوبی سرانجام دیا ہے۔ اس فتنہ کی تردید کے ضمن میں بعض ایسی شخصیات پر کچھ باتیں تحریر میں آ گئی ہیں۔ جن کے بارہ میں اس فکری کجروی کی تائید کا گمان بھی نہ تھا۔ لیکن تحریر مدلل ہونے کی بناء پر ماننے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت عامہ نصیب فرمائے اور اس فتنہ غامدیت سے اُمت کے ایمان کو بچانے کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

محمد یوسف الحسینی

مدرس نائب مفتی دارالعلوم مدنیہ، بہاولپور

۳۰ شوال ۱۴۳۰ھ

تقریظ

خطیب اہل سنت حضرت مولانا **عبدالروف چشتی** دیوبندی، اوکاڑہ

غامدیت زدہ افراد احساس برتر کے مریض

مورخہ 15، اکتوبر کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے زیر اہتمام چناب نگر میں ہونے والی 2 روزہ ختم نبوت کانفرنس میں حضرت مولانا قاری یامین گوہر کی رفاقت میں چناب نگر گیا تو وہاں پر حضرت مولانا عبدالرحیم چاریاری نے 2 ورقی پمفلٹ ''غامدیت کیا ہے؟'' مجھے عنایت فرمایا اور ساتھ ہی حکم فرمایا کہ ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب کے عقائد و نظریات پر کچھ لکھوں۔ میں نے اس دوورقی پمفلٹ کو پڑھا تو اس میں غامدی صاحب کے عقائد و نظریات کی تردید میں کتاب لکھنے چھپنے کی اطلاع تھی اور ساتھ ڈاکٹر جاوید غامدی صاحب کے نظریات کے پچیس 25 نمونے بھی دیئے گئے تھے۔ میں نے وہ نمونہ جات پڑھے تو میں سوچنے لگ گیا کہ کیا انہی لوگوں کو پڑھا لکھا کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہیں جنہیں اکابرین اُمت اور سلف صالحین کی تعلیمات و روایات پر اعتماد نہیں؟ کمال ہے دائی کی تحقیق پر اعتماد ہے! جب وہ کہتی ہے کہ آپ کے بچہ یا بچی پیدا ہوئی ہے تو مان لیا جاتا ہے ''تحقیق نہیں کی جاتی، بیوی کی بات پر یقین ہے جب وہ کہتی ہے کہ اب حاملہ ہو چکی ہوں اور شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ یقین کر لیا جاتا ہے مگر ریسرچ نہیں کی جاتی۔ اگر بالفرض وہ ریسرچ کر بھی لیں تو ہم نہیں مانیں گے۔ جب وہ کسی کی تحقیق اور ریسرچ تسلیم نہیں کرتے۔ تو ہم ان کی تحقیق کیوں مانیں؟ ان کے پاس کون سی اتھارٹی ہے یا کیا ثبوت ہے کہ ان کی تحقیق کو

صحیح اور صائب مانا جائے؟ ایک طرف علماء اُمت کے جید ترین علماء، محدثین، مفسرین کی تحقیق ہے۔ دوسری طرف ان کی ریسرچ ہے۔ ہم ہماری مرضی ہے ہم جسے چاہیں مانیں۔ لہٰذا ہم انہیں علماء اور مفسرین کی تحقیق مانتے ہیں جو قرآن وحدیث کا مکمل علم رکھتے ہیں۔ جس طرح کوئی عطائی مستند حکیم اور ڈاکٹر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی طرح کوئی غیر عالم، کسی مستند عالم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ کہاوت ہے، جس کا کام اسی کو ساجھے اور کرے تو ٹھینگا باجے۔ دراصل یہ لوگ علماء کی عزت اور توقیر دیکھ کر انہیں ملنے والا حقیقی پروٹوکول دیکھ کر اندر ہی اندر سلگتے رہتے ہیں، جلتے رہتے ہیں۔ آخر جل بھنس کر کوئلہ بن جاتے ہیں اور جب انہیں کوئی پوچھتا نہیں تو ''خبروں'' میں رہتے مختلف شوشے چھوڑتے رہتے ہیں تاکہ عوام کی طرف متوجہ ہوں۔ عوام کو متوجہ کرنے کے لئے کوئی انوکھی بات کرینگے تو عوام میں شہرت ہوگی۔ مثلاً اب اگر یہ کہیں کہ حق مہر یہ بیوی کا حق ہے تو کون متوجہ ہوگا، سب کو علم ہے، پتہ ہے کہ حق مہر بیوی کو دیا جاتا ہے۔ زوجہ کا حق ہے۔ لیکن اگر کوئی شہرت کا طالب یہ کہے کہ حق مہر بیوی کا حق نہیں بلکہ بیوی کی ماں یعنی ساس کا حق ہے تو یہ ایک نئی بات ہوگی اور یہی بات اس کی وجہ شہرت ہوگی۔ وہ اس بات پر خوش ہوگا کہ لوگ اسے پہچاننے لگے ہیں، کوئی پوچھے تو جواب میں کہے گا کہ میں اکابرین اُمت اور صالحین کی تحقیق کو نہیں مانتا۔ میری تحقیق یہ ہے کہ حق مہر ساس صاحبہ کو ملنا چاہیے، کیوں؟ اس لئے کہ اگر ساس نہ ہوتی تو اس کی بیٹی پیدا نہ ہوتی اور جب بیٹی پیدا نہ ہوتی تو اس کی بیوی کیسے بنتی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حق مہر ساس کو دیا جائے۔ کہ اس نے بیٹی کو جنم دیا، پرورش کیا، جوان کیا اور پھر وہ اس کی بیوی بننے کے قابل ہوگئی۔ یہ ریسرچ اور تحقیق سن کر کئی تمسخر اڑائیں گے۔ کئی طنزیہ گفتگو کریں گے،

اور کئی جعلی ''سقراط و بقراط'' کے بغل بچے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر بریلر مرغم کی دیچی کی سیخیں لگواتے تبصرہ کریں گے کہ ''یار کمال کی تحقیق ہے'' اسی تحقیق اور ریسرچ آج تک کسی نے نہیں کی اور نہ کوئی اتنی گہرائی میں گیا ہے۔ دوسرا بولے گا کہ ہاں یار! بات بھی دل کو لگتی ہے کہ ایک ساس نے پہلے نو ماہ اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ پھر دردزہ کے مراحل سے گزری، پھر وضع حمل کے مشکل ترین لمحات برداشت کیے، پھر رضاعت و تربیت کی ذمہ داری نبھائی اور جب وہ حسن وجمال کا پیکر بن کر ایک دوشیزہ کے روپ میں آئی تو پھر اسے ایک شوہر نے قبول کرلیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ حق مہر ساس کو دیا جائے یہ اسی کا حق بنتا ہے۔ لاحول ولا قوۃ ! ایسی واہیات تحقیق وریسرچ کے قدر دان اور ''مداری محقق'' کے ''بازاری موئید'' آپ کو ہر جگہ مل جائیں گے۔ مادر پدر آزاد معاشرہ میں مادر پدر آزاد محقق برساتی مینڈکوں کی طرح پھرتے ہیں۔ چونکہ سطحی علم کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لئے بازاری لونڈوں کی خواہشات اور بدمعاش ذہنوں کی پسند کو دیکھتے ہوئے ان کے مطلب کی گفتگو کرتے ہیں اور اس فحش گفتگو کو ریسرچ وتحقیق کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ''اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے انٹرنیٹ پر لڑکے اور لڑکیوں کی دوستی جائز ہے۔ سبحان اللہ! کیا گل کھلایا ہے۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ''اخلاقی حدود'' کا تعین کون کرے گا؟ یہ گل تو ڈاکٹر صاحب کا نمونہ نمبر 16 میں کھلایا ہے۔ اور نمونہ نمبر 10 میں ارشاد ہوتا ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعین انسانی فطرت کرے گی''۔ اب نہی عن المنکر کا تعین انسانی فطرت کہاں جا کر کرے گی تو یہ محترم ڈاکٹر صاحب ہی بتا سکتے ہیں یا ان کا کوئی بغل بچہ! نمونہ نمبر 24 میں کفن ہی پھاڑ دیا گیا ہے، فرماتے ہیں۔ ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے۔

"ماشاء اللہ"! "نظر بددور" کہیں ایسی تحقیق کو نظر نہ لگ جائے کیا محترم! یہ بتانا پسند کریں گے کہ اس فطری چیز سے جناب نے کتنا حظ اٹھایا ہے؟

بہرحال مولانا عبدالرحیم چار یاری صاحب جو جامعہ حنفیہ امداد ٹاؤن شیخوپورہ روڈ فیصل آباد کے مدیر ہیں۔ ڈاکٹر غامدی صاحب کے عقائد ونظریات پر "غامدیت کیا ہے؟" نامی ایک کتاب شائع کر رہے ہیں تاکہ عوام کو ایسے عقائد و نظریات سے بچایا جاسکے۔

والسلام

عبدالرؤف چشتی دیوبندی، اوکاڑہ

20-10-2009

اس زاہد کو کوئی کیا جانے! ☆ تسبیح بھی ہے زُنار بھی ہے
اس راشد کو کوئی کیا سمجھے! ☆ اقرار بھی ہے انکار بھی ہے

ایک بزرگ ....

1:- شریعت کونسل پاکستان کا سربراہ بھی ہو!......

2:- ماہنامہ "الشریعہ" کا سرپرست بھی ہو!......

3:- اہل حق کے عظیم ادارہ نصرۃ العلوم کا شیخ الحدیث بھی ہو!......

4:- امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کا جانشین بھی ہو!......

5:- اسلامک فورم ورلڈ لندن کا چیئرمین بھی ہو!......

6:- دنیا میں مفکر اسلام اور مشہور دینی سکالر بھی ہو۔......

7:- خاندان صفدریہ کا چشم و چراغ بھی ہو!......

8:- وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کا سابقہ ممبر بھی ہو!......

9:- مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کا خطیب بھی ہو!......

10:- اس بزرگ کا حقیقی بیٹا عمار خان ناصر ...... نامعلوم کن وجوہات اور مفادات کی بنا پر...... غامدی جیسے ملحد...... کے عقائد ونظریات کا حامی بھی ہو...... آزاد خیالی اور تجدد پسندی کا داعی بھی ہو...... اپنے بزرگ باپ کی سرپرستی میں...... اس کا پیروکار بھی ہو...... اور غامدی کے ادارہ "المورد" کا معقول تنخواہ دار بھی ہو......

سمجھ نہیں آتا؟؟؟؟؟؟

اپنے بھی خفا ہیں مجھ سے اور بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

عقائد اہل سنت اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کی

غامدیت نوازی

ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے مقدمہ کے تناظر میں

اربابِ علم ودانش کی عدالت میں استغاثہ

فرمان الٰہی: وما اتاکم الرسول فخذوہ...... (سورۃ الحشر، آیت 7)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول دیں پس اسے پکڑلو۔

فرمان نبوی ﷺ: اس حدیث میں تہتر (73) فرقے ہوں گے سوائے ایک کے سب جہنمی ہوں گے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس **جنتی فرقہ** کے بارے میں دریافت کیا، جس پر حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا (ما انا علیہ و اصحابی) یعنی وہ جنتی فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔

(جامع ترمذی رقم الحدیث 2641 حسنہ الالبانی فی صحیح الترمذی، ج ۲، ص ۳۳۴، رقم الحدیث 2129)

اس جنتی فرقہ سے اہل سنت والجماعت ہی کو مراد لیا گیا ہے۔ (احیاء العلوم)

فرمان سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: قیامت کے دن روشن چہروں والے اہل سنت والجماعت ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۸۲، شرح اصول اعتقاد اہل السنہ للالکائی، ج ۱، ص ۱۷، رقم ۷۴)

(خلاصہ) اس جنتی فرقہ اہل سنت والجماعت کا مصداق چاروں اہل فقہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) ہیں۔ جیسا کہ سید احمد طحطاوی نے لکھا ہے۔

(طحطاوی علی الدر، ج ۴، ص ۱۵۳ مصر، نزل الابرار من فقہ النبی المختار، ص ۹)

محض اہل سنت والجماعت نام رکھنا کافی نہیں بلکہ سنت رسول اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مطابق عقائد و نظریات بھی ہونے ضروری ہیں۔
غنیۃ الطالبین۔ از حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

(جماعت علماء دیوبند) چنانچہ برصغیر پاک و ہند میں اہل سنت والجماعت فقہ حنفی کی صحیح تعبیر و ترجمان جماعت علماء دیوبند ہے۔ (مجالس مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ، ص ۵۹۵، کراچی)

کلمۂ حق

جس طرح ملکی سلامتی اور بقاء کے لئے اس کے آئین کا تقدس برقرار رکھنا اور اس کی روشنی میں نظام مملکت کا چلانا ضروری تصور کیا جاتا ہے۔ اس سے کہیں بڑھ کر کسی بھی مذہب کے پیروکاروں کے لئے ان کے نظریات واعمال کی صحت وسقم جانچنے کے لئے کسی آئین کا وجود ضروری ٹھہرتا ہے۔ ایک ایسا معیار جس کی روشنی میں طے کیا جاسکے کہ صائب رائے کون رکھتا ہے؟ اور ذلتِ اقدام کا شکار کون ہوا ہے؟ اور ظاہری بات ہے۔ اس معیار وآئین کا تحفظ اس سے ثابت شدہ نظریات کی بقاء کے لئے ضروری ہوگا۔ اور یہ تب ممکن ہوگا جب پیروکار اس حوالہ سے اتنے حساس ہوں کہ اس میں کسی بھی طرف سے کمی بیشی کو روا نہ سمجھیں۔

مذہب اسلام کے اصول وفروع کی صحت وعدم صحت کے حوالہ سے آنحضرت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے ما انا علیہ و اصحابی کو معیار قرار دیا ہے۔ جسے عام فہم الفاظ میں اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

سنت وجماعت سے ثابت شدہ عقائد واعمال ہی اسلام کا حقیقی تصور ہیں۔ جس کی حفاظت کے لئے ہر دور میں حق تعالیٰ نے رجال پیدا فرمائے ہیں۔ دار العلوم دیوبند سے وابستہ اکابرِ اُمت (جنہیں علماء دیوبند کہا جاتا ہے) نے اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات کی حفاظت کے لئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں وہ اظہر من الشمس اور لائق تقلید ہیں۔

چنانچہ ان اکابرِ اُمت نے ایک طرف تو لا یخافون لومۃ لائم کی عملی تفسیر کا نمونہ پیش کرتے ہوئے ہر ظالم وجابر کے سامنے کلمہ حق کہا ہے۔ تو دوسری طرف اپنی صفوں میں بعض پریشان فکر احباب کی لائن کو درست کیا ہے یا اپنے حلقہ سے جدا کیا ہے۔

قریب زمانہ میں منکرین حیات انبیاء کا اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند کے حلقہ سے اخراج اس کی روشن مثال ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، تسکین الصدور، مولفہ امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ)

غامدیت کیا ہے؟ جگر لخت لخت کی وہ داستان ہے۔ جسے افشاں کرنے سے پہلے مشاورت کے ساتھ ساتھ ہزار بار ہم نے اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا ہے اور بہت دفعہ سوچا ہے لیکن اکابر دیوبند کا روشن ماضی سامنے رکھتے ہوئے کوئی صورت نہ بن پائی تو ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ کے مقدمہ کے حوالہ سے ارباب علم ودانش کی عدالت میں یہ استغاثہ پیش خدمت کر کے آپ کے حضور رکھ دیا ہے۔

غامدیت کیا ہے؟ جہاں جاوید احمد غامدی کی بہکی بہکی نظریاتی لغزشوں کا ذکر ہے۔ وہیں اس کے تائید کنندہ ہمارے مخدوم مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے فرزند مولانا حافظ عمار خان ناصر کی مداہنت اور مفاہمت بھری غامدی دلداری کا فسانہ بھی ہے۔

خدا کرے غامدی صاحب بالخصوص ان کے موئیدین ہمارے محترم بزرگ اپنی روش پر غور فرمائیں اور ہماری دردمندانہ گزارشات کو شرف قبولیت بخشیں۔

اور خدا نہ کرے ہمیں مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کی غامدیت نوازی کی طرح قادیانیت، مودودیت، رافضیت، بریلویت اور مماتیت پر سرپرستانہ نوازشات قارئین کرام کی عدالت میں رکھنی پڑیں۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

روزنامہ اسلام میں

مولانا زاہد الراشدی صاحب اپنے ایک مضمون

"حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ چند یادیں"!

جو قائد اہل سنت وکیل صحابہ، ترجمان مسلک علماء دیوبند، حضرت اقدس سیدی و مُرشدی مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کی وفات پر تعزیتی پیغام میں ارشاد فرمائی۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی ہی تحریر نے ہمیں کچھ عرض کرنے پر مجبور کیا۔ ورنہ شاید ہم یہ جسارت نہ کرتے۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب راقم طراز ہیں کہ "حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد دین کے ہر شعبہ میں تھی .... لیکن دو باتوں کو ان کے نزدیک سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی .... اور ان کی تگ ودو کا اکثر وبیشتر حصہ انہی دو امور کے گرد گھومتا تھا .... ایک اہل سنت کے مذہب و عقائد کی ترویج .... اور دوسرا علماء دیوبند کے مسلک کا تحفظ .... ان دو حوالوں سے وہ کسی مصلحت یا لچک کے روادار نہیں تھے .... اور کسی کو رعایت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے .... ان کے نزدیک عقائد اور ان کی تعبیرات کے باب میں .... اکابر علماء دیوبند کی تصریحات ہی فائنل اتھارٹی کی حیثیت رکھتی تھیں .... کسی بھی حلقہ یا شخصیت کی طرف سے اس سے ہٹ کر کوئی بات سامنے آتی تو .... کسی جھجک کے بغیر اس کی تردید کر دیتے .... اور اس معاملہ میں ان کے ہاں کوئی ترجیحات یا پروٹوکول نہیں تھا .... ایک بار انہوں نے ....

مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید رحمۃ اللہ علیہ .... کی زندگی میں ان کی کسی تقریر یا تحریر پر گرفت کرتے ہوئے .... ایک پمفلٹ شائع کردیا .... اس کے بعد کسی مرحلہ پر میری .... حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں حاضری ہوئی .... تو میں نے عرض کیا کہ .... حضرت ضیاء الرحمن فاروقی رحمۃ اللہ علیہ یا میرے جیسے لوگوں کے خلاف .... آپ پمفلٹ شائع نہ کیا کریں .... ہم آپ کے بچے ہیں .... ہماری کسی بات میں غلطی دیکھیں تو .... خود بلا کر ڈانٹ دیا کریں .... سمجھا دیا کریں .... ہم اس سطح کے لوگ نہیں ہیں .... کہ آپ ہمیں اپنے خلاف حریف بنائیں .... یہ آپ کی شخصیت اور مقام کے خلاف ہے .... اس کے جواب میں انہوں نے .... ایک جملہ فرمایا .... جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا کہ ....

"میں اپنی شخصیت کو دیکھوں یا مسلک کی حفاظت کروں"

آج مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ .... ہم سے رخصت ہوگئے ہیں تو .... اس حوالہ سے بھی غم زدہ ہوں .... کہ اب ہم سے جواب طلبی کرنے والا کون ہوگا .... ؟؟؟ ہماری غلطیاں کون نکالا کرے گا .... ؟ اور کس کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت .... ہمارے دل میں ڈر ہوگا .... ؟ کہ فلاں بات کے بارے میں اگر انہوں نے پوچھ لیا تو .... ہم کیا جواب دیں گے .... ؟ اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں ان کے درجات بلند سے بلند

فرمائیں......اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔ آمین یارب العالمین۔

(قائد اہل سنت نمبر ماہنامہ ''حق چاریار رضی اللہ عنہم'' لاہور، ص ۱۳۰۱)

جناب والا! حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ .... کے رضا کاروں کے بھی رضا کار............ جب تک زندہ ہیں............ ان کے اس ''مبارک مشن''............ اور آپ کی ''نیک خواہشات'' کی تکمیل............ بفضل خدا حسب استطاعت کرتے رہیں گے............ اور آپ کی غمزدگی کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے شب و روز کوشاں............ رہیں گے۔ ان شاء اللہ

بقول امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین امام اہل سنت کے نام

کیونکر نہ دل جلوں کی لبوں پر فغاں نہ ہو

ممکن نہیں کہ آگ لگے اور دھواں نہ ہو

(چالیس دعائیں، ص ۲۲، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ)

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مولانا زاہد الراشدی صاحب کا اپنے بیٹے عمار خان ناصر کے غامدی ہونے

اور اس کے ادارہ ''المورد'' کا تنخواہ دار ہونے کا کھلا اعتراف اور اقرار

مولانا زاہد الراشدی صاحب اپنے بیٹے عمار خان ناصر کے متعلق فرماتے ہیں کہ ''وہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ اس نے درس نظامی کی تعلیم مدرسہ انوار العلوم اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں حاصل کی ہے اور دورۂ حدیث اپنے دادا محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم سے کیا ہے۔ اس کے بعد کم وبیش دس سال تک نصرۃ العلوم میں درس نظامی کے شعبہ میں تدریس کی ہے اور موقوف علیہ کے درجہ تک کی کتابیں پڑھائی ہیں اور اس کے ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کیا ہے۔ ''خالصتاً کتابی ذوق کا شخص ہے۔ اور لکھنے پڑھنے کے سوا اسے کسی اور کام میں دلچسپی نہیں ہے''۔

''جاوید احمد غامدی سے ان کا شاگردی کا تعلق ہے............ ان کے ادارے کے ساتھ اس کی جزوی وابستگی ہے............ اور ان کے بعض افکار سے وہ متاثر بھی ہے............ اس کی تحریریں ''الشریعہ'' اور دیگر رسائل میں شائع ہوتی رہتی ہیں............ جن میں جمہور اہل سنت کے موقف سے ہٹ کر بھی بات ہوتی ہے...... مگر میں نے ہر موقع پر اس کی انفرادی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً حدود و تعزیرات کے بارے میں اس کتاب کو سب سے زیادہ ہدف اعتراض وتنقید بنایا گیا ہے............

(ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ، ص ۹، مئی رجون 2009ء)

ہے سوچنے کی بات اسے بار بار سوچ

مولانا راشدی صاحب کا یہ ارشاد فرمانا کہ میں نے (اپنے بیٹے سے) ہر موقع پر اس کی انفرادی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ کیا اپنے بیٹے سے جناب والا کا اختلاف فرمانا ہی کافی ہے؟؟؟؟؟ یا انہیں راہ راست پر لانا بھی جناب والا کی ذمہ داری ہے؟؟؟؟؟ جیسا کہ

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ خبردار تم سے ہر شخص نگہبان ہے اپنے ماتحتوں کا اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔
(بخاری شریف)

اور آپ کا یہ فرمانا کہ ”سب سے زیادہ ہدف اعتراض وتنقید“ میں نے ہی بنایا ہے۔ کیا آپ فرما سکتے ہیں کہ ”ہدف اعتراض وتنقید“ کے اسباب کیا ہیں؟؟؟

کیا وہ تائب ہو کر اپنے غامدیت زدہ عقائد ونظریات، تجدد پسندی اور آزاد خیالی سے باز آ گئے؟؟؟؟؟؟) جبکہ آپ نے تو غامدی صاحب سے شرف تلمذ بھی انہیں حاصل کروادیا ہے۔ کیا یہی آپ کے شایان شان تھا کہ اپنے ذہین وفطین صاحبزادے کو ایک ملحد اور بے دین آدمی کی گود میں دے کر آپ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے۔

اب جس کا جی چاہے وہ پائے روشنی
ہم نے تو دیا جلا کے سر عام رکھ دیا

ابن راشدی اپنی کتاب کے آئینہ میں

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بیٹے عمار خان ناصر نے ایک کتاب ”حدود وتعزیرات“ کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کیچڑ اچھالا اور کئی طے شدہ اجماعی مسائل سے انحراف بھی کیا ہے۔

چند خرافات ملاحظہ ہوں۔

1:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ) ص 105

2:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع۔ (معاذ اللہ) ص 42,43

3:۔ رجم کی تشریعی حیثیت کا انکار۔ معاذ اللہ) ص 137,138

4:۔ اجماع امت کا انکار (معاذ اللہ) ص 13

5:۔ ارتداد کی شرعی سزا کا انکار (معاذ اللہ) ص 228

6:۔ لعان دور نبوی کی مجبوری تھی۔ (معاذ اللہ) ص 248,249

7:۔ عورت کی نصف دیت کا انکار۔ (معاذ اللہ) ص 104,105

مولانا زاہد الراشدی صاحب نے.......... اس کتاب ”حدود وتعزیرات“ پر بھی.......... تقریظ کے طور پر دیباچہ لکھ دیا ہے.......... جس سے سنی عوام وخواص سخت پریشان ہیں.......... جبکہ مولانا راشدی صاحب نے.......... اپنے بیٹے کی اس کاوش کو سراہا ہے.......... ان کا یہ دیباچہ.......... ماہنامہ ”الشریعہ“ گوجرانوالہ میں بھی شائع ہو چکا ہے.......... جس میں مولانا راشدی صاحب لکھتے ہیں کہ

''عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ.......... نے اس علمی کاوش کا سلسلہ آگے بڑھایا ہے.......... مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے.......... میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں.......... اور ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی.......... دینی ذمہ داری سمجھتا ہوں.......... صرف ایک شرط کے ساتھ کہ اُمت کے اجماعی تعامل اور اہل السنۃ والجماعۃ کے علمی ملسمات کا دائرہ کراس نہ ہو.......... کیونکہ اس دائرے سے آگے بہر حال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے..........''۔

(حدود و تعزیرات، ص13)

علامہ راشدی صاحب سے صرف ایک سوال

آپ کے بیٹے کی کتاب ''حدود و تعزیرات'' جس پر حضور والا نے دیباچہ لکھا ہے اور اس میں درجہ ذیل نظریات ثابت ہیں۔

1:۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں
2:۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع
3:۔لعان دور نبوی کی مجبوری تھی
4:۔عورت کی نصف دیت کا انکار
5:۔مرتد کی شرعی سزا کا انکار
6:۔اجماع امت کا انکار
7:۔رجم کی شرعی حیثیت کا انکار
8:۔تبلیغی جماعت نقصان دہ ہے

کیا ان نظریات کا حامل آپ کا بیٹا عمار خان ناصر بقول آپ کے کہ ''اُمت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلّمات کا دائرہ کراس نہ ہو۔ کیونکہ اس دائرے سے آگے بہر حال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے''۔

کیا مذکورہ بالا نظریات کی بناء پر آپ کا بیٹا علمی مسلّمات کا دائرہ کراس کر کے گمراہی کی سلطنت میں پہنچا ہے؟؟؟؟؟ یا نہیں؟؟؟؟؟

(بحوالہ ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ ص۹، مئی، جون 2009ء)

غامدی صاحب کا پورا مکتبہ فکر

جن کی تفصیلات ویب سائٹ http:/www.domini.org/debate/home/htm پر پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس موضوع سے متعلق مزید معلومات کے لئے http://debate.org.uk/topics/history/debate/partI.htm#D سے رجوع کیا جائے

غامدی صاحب کے مکتبہ فکر نے جسے فخر ہے کہ وہ عالم اسلام کا واحد مکتب فکر ہے جو قرآن میں ڈوب کر ابھرا ہے اور صرف وہی قرآن کی حقیقی روح، اس کی لغت، اس کی عربیت پر عبور رکھتا ہے۔ قرآن کے خلاف ہونے والی عالمی سازش سے بالکل بے خبر ہے۔ یہ بے خبری نادانستہ نہیں دانستہ ہے۔ اس غض بصر کا صرف ایک ہی مطلب ہے مستشرقین وہی کام مغرب میں کریں جو غامدی صاحب، وحید الدین خان، ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر فتحی عثمان، ڈاکٹر رشید جالندھری، ڈاکٹر خالد مسعود، زاہد الراشدی، ڈاکٹر محمود غازی، علامہ یوسف قرضاوی عالم اسلام میں انجام دے رہے ہیں۔

مصر میں مفتی عبدہ، انگریزوں کے آلہ کار تھے اور انگریزوں نے عبدہ اور ان سے متاثر سیاسی جماعت کی سامراج کے لئے خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ اس کی تفصیل ساحل کے مارچ، اپریل، مئی 2005ء کے شماروں میں ملاحظہ فرمائیے۔ ان شماروں میں عالم اسلام کے ہر حصے میں غامدی صاحب جیسے جدیدیت پسندوں کی تاریخ تحریر کی گئی ہے کہ جدیدیت پسند اسلام کے حصار میں کیسے نقب لگاتے ہیں۔

سرسید احمد انگریزوں کے مسلمہ ایجنٹ تھے۔ مولوی چراغ علی، کرامت علی

جونپوری، جسٹس امیر علی، (ہند کے وائسرائے کی سالی امیر علی کی بیوی تھی۔ اس کی تفصیل فروری 2007ء کے ساحل میں پڑھیے۔) کلکتہ کے خدا بخش سب استعماریت کی خدمت میں مصروف تھے۔ پاکستان میں ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، ڈاکٹر رشید جالندھری، جعفر شاہ پھلواری، غلام احمد پرویز، جاوید غامدی امریکی اور دیگر کئی لوگ امریکی اور مغربی استعمار کے فطری حلیف ہیں۔ اسی لئے ان تمام مفکروں اور دانشوروں کی ہر تحریر وتقریر میں اسلام کے خلاف مسلمہ مکاتب فکر کے خلاف بہت کچھ دلائل ملیں گے، لیکن ان کی کسی ایک تحریر وتقریر میں مغرب، عالمی استعمار، یہودیت، عیسائیت، جدیدیت، ماڈرن ازم، کیپٹل ازم، لبرل ازم، وحدت ادیان، جمہوریت، جدید سائنس کی تباہ کاریوں کے بارے میں ایک لفظ، ایک حرف، ایک سطر نہیں ملے گی۔ کیونکہ یہ اجہل ان امور کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور اگر کچھ غلط سلط جانتے ہیں تب بھی یہ مغرب کو الحق اور اس کی سائنس وٹیکنالوجی کو الکتاب قرار دے کر اس میں کوئی نقص نہیں نکالتے۔ صرف اس پر ایمان لے آتے اور مغرب کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔

یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا

اسلام کے دشمنوں کے خلاف محاذ جنگ گرم کرنے کے بجائے اسلام کا دفاع کرنے والوں اور اسلام کو محفوظ طریقے سے اُمت تک منتقل کرنے والوں کے خلاف غامدی صاحب کا جہاد اکبران کے استعماری حلیف ہونے کی کھلی شہادت دے رہا ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ ''ساحل'' کراچی، ص 35، مئی 2007ء)

غامدیت زدہ مکتبہ فکر کا چھوٹا کنبہ

1:۔ مولوی فیصل خورشید صاحب جاپان والا (ف، د، کراچی)

2:۔ مولوی کمال الدین المسترشد صاحب (ف، ب، کراچی)

3:۔ مولوی ذیشان پنجوانی صاحب (ف، ب، کراچی)

4:۔ مولوی مسعود احمد صاحب (ف، د، کراچی)

5:۔ مولوی عثمان صاحب (ف، د، کراچی)

6:۔ مولوی فاروق مُلا صاحب (ف، د، کراچی)

7:۔ مولوی عبدالوہاب صاحب (ف، ب، کراچی)

8:۔ مولوی فخر الدین گیلانی صاحب (ف، ب، کراچی)

9:۔ مولوی یوسف صاحب (ف، ب، کراچی)

10:۔ مولوی شیخ ابوخالد ابراہیم المدنی صاحب (ف، م)

11:۔ مولوی عمار خان ناصر ولد مولانا زاہد الراشدی (ف، ن، گوجرانوالہ)

12:۔ سید احمد مجیب صاحب (اہلحدیث اسکالر وایڈیٹر ماہنامہ ''الصراط'' کراچی)

13:۔ مولوی جہانگیر محمود صاحب (ایگزیکٹیو ڈائریکٹر دی اسکول فار ایجوکیشنل ریسرچ لاہور)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اکابر اُمت، سلف صالحین، آئمہ مجتہدین اور بزرگان دین رحمہم اللہ کی راہنمائی میں دین متین کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور گم گشتہ راہ افراد کو راہ ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

غامدی صاحب کے 50 گمراہ کن عقائد ونظریات

غامدی صاحب کے جدید اسلام کے شجرہ سے پھوٹنے والے پُر خار برگ وبار کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں اور غامدیت نواز سوچ وفکر کا موازنہ کریں کہ حقیقت کیا ہے؟ اور غامدیت کیا ہے؟۔ فیصلہ خود فرمائیں۔ استغاثہ آپ کی عدالت میں۔

(1) ”قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کے عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کررہی ہے یہ تلاوت جس قرات کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قرات نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“

(میزان، ص ۵۲، ۶۲، طبع دوم، اپریل 2002ء لاہور)

(2) ”یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرات ہے اس کے علاوہ سب قراتیں فتنہ عجم کی باقیات ہیں۔“ (میزان، ص ۳۲، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(3) اس (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ وعمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

(میزان، ص ۶۴ طبع دوم، اپریل 2002ء)

(4) ”نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر وتصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقہ پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انہیں ماننے سے انکار نہیں کرسکتا۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی حفاظت اور تبلیغ واشاعت کے لئے کبھی

کوئی اہتمام نہیں کیا، دوسری یہ بات کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا“۔ (میزان، حصہ دوم، ص ۶۸، طبع اپریل 2002ء لاہور)

(5) ”کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔“

(ماہنامہ، اشراق، ص ۵۴، ۵۵، دسمبر 2000ء)

(6) ”ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی ہے اور جن چیزوں سے زکوۃ وصول کرے ان کے لئے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کرسکتی ہے۔“

(قانون عبادات، ص ۱۱۹، طبع اپریل، 2005ء)

(7) ”بنی ہاشم کے فقراء ومساکین کی ضرورتیں بھی زکوۃ کے اموال سے اب بغیر کسی تردد کے پوری کی جاسکتی ہیں۔“

(قانون عبادات، ص ۱۱۹، طبع اپریل، 2005ء)

(8) ”اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لئے تعین کیا ہے نہ عورت اور مرد غلام اور آزاد کا فر اور مومن کی دیتوں میں فرق کی پابندی ہمارے لئے لازم ٹھہرائی ہے۔“ (برہان، ص ۱۸، طبع چہارم، جون 2006ء)

(9) ”لیکن فقہاء کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو) تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لئے قرآن مجید میں

"اُمِّیِّیْن یا مُشْرِکِیْن" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔"

(برہان،ص۱۴۰،طبع چہارم،جون 2006ء)

(10) "سورۂ نور میں زنا کے عام مرتکبین کے لئے ایک متعین سزا ہمیشہ کے لئے مقرر کردی گئی زانی مرد ہو یا عورت اس کا جرم اگر ثابت ہو جائے تو اس کی پاداش میں اسے سو کوڑے مارے جائیں گے۔"

(میزان،ص۲۹۹،۳۰۰،طبع دوم،اپریل 2002ء)

(11) "یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور ﷺ نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوایا تو شارع کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء نے بھی اس کے لئے چالیس کوڑے اور اسی کوڑے کی یہ سزائیں اسی حیثیت سے مقرر کی ہیں چنانچہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں بلکہ محض تعزیر ہے جسے مسلمانوں کا نظم اجتماعی اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا ہے اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر وتبدل کر سکتا ہے۔"

(برہان،ص۱۳۹،طبع چہارم،جون 2006ء)

(12) "عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔"

(ماہنامہ اشراق،ص۳۵تا۴۶،مئی 2005ء)

(13) "عورت نکاح خواں بن سکتی ہے۔"

غامدی صاحب نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ ارشاد فرمایا:

"جی ہاں بالکل پڑھا سکتی ہے۔" (WWW.gamidi.org)

(14) "مرد اور عورتیں برابر کھڑے ہو کر باجماعت یا انفرادی دونوں طرح نماز ادا کر سکتے ہیں۔"

غامدی صاحب کے ایک شاگرد سکالر سے سوال کیا گیا کیا مرد اور عورت اکٹھے کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ

"مرد اور عورت کھڑے ہو کر جماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔"

(WWW.urdu.understanding.islam.org)

(15) "اجنبی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر لئے آ جا سکتی ہے۔"

"دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے اس کے بارہ میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔" (ماہنامہ اشراق،ص۴۷،شمارہ مئی 2002ء)

(16) "یہ (شراب نوشی پر اسی کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی"

(برہان،ص۱۳۸،طبع چہارم،جون 2006ء)

(17) ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام عظیم فریب پر مبنی فکر و فلسفہ کی علم بردار ہیں اور اسی سبب سے نبی کریم ﷺ نے انہیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی، یہ بھی درحقیقت مغربی

اقوام کی انسان کے روحانی پہلو میں پہلو تہی اور صرف مادی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی غالباً مغربی اقوام کی سیاسی عروج ہی کے لئے کنایہ ہے۔"

(ماہنامہ "اشراق" ص ۶۱ ،شمارہ جنوری 1996ء)

(18) "انہیں (نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو) قتال کا جو حکم دیا گیا اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے۔"

(میزان، ص ۲۶۴، طبع اپریل، 2002ء لاہور)

(19) "یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم اور زیردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے۔" (میزان، ص ۲۷۰، طبع اپریل 2002ء لاہور)

(20) (الف) "ان علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطور خوراک استعمال نہیں کیا جاتا وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اعضاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا۔"

(ماہنامہ اشراق، ص ۷۹، شمارہ اکتوبر 1998ء)

(ب) "یہ سب چیزیں (خون، مردار، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات میں واضح ہے صرف خورد ونوش کے لئے حرام ہیں۔ رہے ان کے دوسرے استعمالات تو وہ بالکل جائز ہیں۔"

(میزان، ص ۳۲۰، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(21) "گانا بجانا اور موسیقی جائز ہے۔"

ماہنامہ اشراق کے نائب مدیر سید منظور الحسن اپنے مضمون "اسلام اور موسیقی" جو جاوید غامدی کے افادات پر مبنی ہے میں لکھتے ہیں۔

"موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے۔ اس لئے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

"ماہر فن مغنیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی ہے تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کا گانا سنوایا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔"

(ماہنامہ اشراق، ص ۸، ۱۹، شمارہ مارچ 2004ء)

(22) جانداروں کی تصویریں بنانا جائز ہے۔

غامدی صاحب کے ادارہ "المورد" کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیق مفتی اپنی کتاب "تصویر کا مسئلہ" میں لکھتے ہیں کہ

"لیکن فی نفسہٖ تصویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر گنجائش ہو سکتی ہے۔ جب کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں جائز رکھا ہو۔" (تصویر کا مسئلہ، ص ۳۰)

(23) مردوں کے لئے داڑھی دین کی رو سے ضروری نہیں۔

"غامدی صاحب کے ادارہ "المورد" ہی کے ایک ریسرچ سکالر لکھتے ہیں۔"

"عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا۔ لہذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں۔" (WWW.urdu.understanding.islam.org)

(24) "ہندو مشرک نہیں ہیں۔"

غامدی صاحب کے ایک شاگرد کیا ہندو مشرک ہیں کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

''ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہو چونکہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے لہذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جا سکتا۔''

(WWW.urdu.understanding.islam.org)

(25) ''مسلمان لڑکی کی شادی ہندو لڑکے سے جائز ہے۔''

حلقہ غامدی کے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ

''ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔''

(WWW.urdu.understanding.islam.org)

(26) ''ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے اس لئے جائز ہے۔''

''المورد'' کے انگریزی مجلّہ ''رینی ساں'' کے شمارہ اگست 2005 میں اس موضوع پر مکمل مضمون موجود ہے۔

(27) ''اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے۔''

(28) ''قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا۔''

(بحوالہ ماہنامہ اشراق، ص ۶۰، جنوری 1996ء)

(29) ''امریکہ افغانستان اور عراق میں حملہ کرنے میں حق بجانب ہے۔''

(انٹرویو ''زندگی'')

(30) ''مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔''

(ملاحظہ ہو، اشراق جولائی، اگست 2003ء، اور اشراق مئی، جون 2004ء)

(31) ''نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اقدام خروج کے متعلق سوال کے جواب میں غامدی صاحب فرماتے ہیں (یزیدی) حکومت نے ایسے عفو و درگزر سے کام لیا، جس کی مثال نہیں ملتی''۔

(بحوالہ ماہنامہ ''ساحل'' کراچی، ص ۶۲، ۶۳، مئی 2007ء)

(32) ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ بغاوت کر کے آئے تھے''۔ (ایضاً)

(33) ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سرنڈر کر دینا چاہیے تھا''۔ (ایضاً)

(34) ''اب تو نئی تحقیقات یہ بتا رہی ہیں کہ اس میں سرے (یزیدی) حکومت کا تو کوئی مسئلہ ہی نہ تھا''۔ (ایضاً)

(35) ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر ان کے ساتھ کے لوگوں نے حملہ کر دیا تھا''۔ (ایضاً)

(36) ''جسے بچاتے بچاتے یہ سارا حادثہ پیش ہو گیا''۔ (ایضاً)

(37) ''(شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں) جو کچھ اب تک سنا کہا گیا ہے وہ لوگوں کا مکروہ پروپیگنڈہ ہے جو تحقیق کے کسی معیار پر پورا نہیں اترتا۔ جس میں افسانہ تراشی کی گئی ہے''۔ (ایضاً)

(38) ''میں کہتا ہوں (غامدی صاحب) اس میں سو فیصد افسانہ تراشی ہے''۔ (ایضاً)

(39) ''اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرنے والے وہیں خیمے کے اندر بیٹھے تھے اور ان کے پاس ٹیپ ریکارڈ بھی تھے''۔ (ایضاً)

غامدی صاحب کا مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے ہاں لوگوں پر بالجبر اپنا نقطہ نظر ٹھونس دینے کے بعض علم برداروں نے یہ تاثر پیدا کیا ہے کہ مسلمانوں کی بڑی اکثریت اگر چہ اس کے خلاف ہے۔لیکن اس کی خاموشی کی وجہ سے یہی تاثر نمایاں ہوگیا ہے۔ہمیں اس تاثر کو پوری قوت سے دور کرنا چاہیے اور اس میں الزامی جواب کا یہ طریقہ کہ مغرب بھی یہی کرتا ہے، ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ دنیا میں امن، سلامتی، آزادی، حریت اور بنی آدم کی وحدت ہماری اقدار ہیں۔ہمیں اہل مغرب کو بتانا چاہیے کہ اس وقت دہشت گردی کے حوالے سے جو کچھ اسلام کے نام پر سامنے آرہا ہے، وہ اسلام کی غلط تعبیر ہے۔اور اس کے خاتمے کے لئے

ہم مغرب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر جدوجہد کرسکتے ہیں

(امریکہ نے 50 سالوں میں نو کروڑ سرخ ہندوؤں کو قتل کیا، لیکن غامدی صاحب اسے دہشت گرد نہیں کہتے۔ اگر فرض کرلیں تو مسلمانوں نے ورلڈ ٹریڈ ٹاور میں تین ہزار لوگ واقعتاً سچ مچ ماردیئے تب بھی نو کروڑ لوگوں کو قتل نہیں کیا۔امریکہ کے مقابلے میں ہم بہت چھوٹے دہشت گرد ہیں۔ مغرب کے تین سو سالوں میں ایک ارب پچھتر کروڑ لوگ ہلاک کئے ہیں۔)

دہشت گرد مغرب ہے، اسلام نہیں

اس سلسلے میں غامدی صاحب درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرمالیں تو وہ دہشت گرد امریکہ اور دہشت گرد مغرب کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے کے بجائے اپنے منہ میں انگلیاں دبالیں گے۔ مغربی دہشت گردی کی یہ کہانیاں مولویوں نے نہیں لکھیں۔ مغرب نے لکھی ہیں۔ غامدی صاحب کی اور تمام جدیدیت پسندوں کی جہالت یہ ہے کہ ان کتابوں کو پڑھے بغیر مغرب کو انسانیت نواز سمجھتے ہیں اور عالم اسلام کے مولویوں کو دہشت گرد اور اسلامی تحریکوں کو تشدد پسند سمجھتے ہیں یہ مولوی اور اسلامی تحریکیں مغرب کے مقابلے میں کروڑوں درجے پر امن، محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ مغرب کی دہشت گردی کی مختصر تاریخ یہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(بحوالہ ماہنامہ "ساحل" کراچی ص65,66، مئی 2007ء)

1. Nash, G. 1992. Red, White and Black: The Peoples of Early North America, 3rd ed. Englewood Cliffs, N.J.: Prentice Hall.
2. Stannard, D. 1992. American Holocaust: The Conquest of the New World. New York: Oxford University Press.
3. Sheehan, B. 1973. Seeds of Extinction: Jeffersonian Philanthropy and the American Indian. Chapel Hill: University of North Carolina Press.
4. Wallace, A. 1999. Jefferson and the Indians: The Tragic Fate of the First Americans. Cambridge, Mass.: Belknap Press.
5. Hoxie, F. 1984. A Final Promise: The Campaign to Assimilate the Indians, 1880-1920. Lincoln: University of Nebraska Press.
6. La Perousse, J.-F. 1989. Monterey in 1786: Life in a California Mission: The Journals of Jean Francois de la Perousse, ed. M. Margolin. Berkeley: Heyday Books.
7. Paddison, J. 1999. A World Transformed: Firsthand Accounts of California Before the Gold Rush. Berkeley, Calif.: Heyday Books.
8. Nichols, D. 1978. Lincoln and the Indians: Civil War Policy and Politics. Columbia: University of Missouri Press.
9. Phillips, G. 1975. Chiefs and Challengers: Indian Resistance and Cooperation in

Southern California. Berkeley & Los Angeles: University of California Press.

10. Hurtado, A. 1988. Indian Survival on the California Frontier. New Haven, Conn.: Yale University Press.

11. Heizer, R. 1993. The Destruction of California Indians. A Collection of Documents. Lincoln: University of Nebraska Press.

12. Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London: Barrie & Jenkins.

13. Churchill, Ward. 1997. A Little Matter of Genocide: Holocaust and Denial in the Americas, 1492 to the Present. San Francisco: City Light Books.

14. Cocker, M. 1998. Rivers of Blood, Rivers of Gold. London: Jonathan Cape.

15. Prucha, F. 1994. "Andrew Jackson's Indian Policy: A Reassessment," in Hurtado & Iverson [eds.] Major Problems in American Indian History.

16. Madsen, B. 1994. "Mormons, Forty-Niners, and the Invasion of Shoshone Country," in Hurtado & Iverson [eds.] Major Problems in American Indian History.

17. J. M. Gran The origions of war 2 vols Groningen: Origin Press 1995.

18. Glen D Paige Nonkilling Global Political Science Philadelphia: X Libris Corporation 2002.

19. Allen D. Grimshaw 'Encyclopedia of violence, peace conflict 3 volumes N. Y. Academic Press 1999.

20 Chles W. Kegley and Wilt Kopfe World politics: Trend & Transformation 6th London Macmillan Press LTD 2000.

21. JACK Porter Genocide and Human rights A Global Anthology Lanham, Maryland, University Press of America 1982.

22. Chalk F. & K. J. The History and Sociology of Genocide, New Haven 1990.

23. Chany I. W. [Eds] Encyclopedia of Genocide Vol. 1 - 2 Santa Barbara California 1999.

24. Horowitz, I.L. Taking lives: Genocide and State Power New Brunswick, New Jersy 1997.

ساحل مئی ۲۰۰۷ء

مرتد کی سزا

’’لیکن فقہاء کی یہ رائے (کہ ہر مرتد کی سزا قتل ہے) محلِ نظر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو) تو بے شک ثابت ہے، مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لئے قرآن مجید میں ’’اُمیّیّن یا مُشْرِکِیْنِ‘‘ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے‘‘۔

(برہان، ص ۱۴۰، طبع چہارم، جون 2006ء)

اسلام لانے کے بعد اگر کوئی شخص مذہب تبدیل کر کے اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کر لے تو اسے ارتداد اور اس کے مرتکب شخص کو مرتد کہا جاتا ہے۔ اور اس کی سزا نصوصِ شرعیہ میں قتل بیان ہوئی ہے۔ مرتد کے حوالے سے غامدی مکتب فکر کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ سزا صرف نبی کریم ﷺ کی قوم بنی اسرائیل کے مرتدین کے لئے خاص تھی اس کے بعد کسی شخص کو ارتداد کی یہ سزا نہیں دی جا سکتی۔

(جاوید احمد غامدی، مقامات، ص ۱۷)

اس کے برعکس فقہ اسلامی کی مایہ ناز و شہرۂ آفاق کتاب ہدایۃ المجتہد میں ’’مرتد اگر لڑائی کرنے سے قبل قابو میں آ جائے تو علماء کا اتفاق ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔ ’’جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو‘‘۔

امت مسلمہ میں سے کسی ایک عالم نے آج تک اس نکتے کو اجاگر نہیں کیا اس حدیث کا تعلق تو محض بنی اسماعیل کے ساتھ خاص ہے، بلکہ تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق یہ حکم عام ہے اور اس قانون پر عمل کرتے ہوئے بالفعل کئی مرتدین کو قتل بھی

کیا گیا، جیسا کہ کتب تاریخ میں موجود ہے، لیکن ہمارے مہربان حضرات اس متفقہ و مسلمہ رائے کو ماننے سے انکاری ہیں۔ مرتد کی سزا کے بارہ میں حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ کا خصوصی مقالہ جو کہ ہماری اس کتاب ''**غامدیت کیا ہے؟**'' کے لئے عنایت فرمایا ہے، جسے ہم شکریہ کے ساتھ قارئین کرام کی نظر کرتے ہیں۔

مرتد کی سزا کا تاریخی پس منظر

خیرالقرون یعنی اسلام کے صدر اول سے جہاں دوسرے اسلامی قوانین کی بالا دستی تھی، وہاں سزائے ارتداد کا قانون بھی نافذ رہا۔ اس کے بعد بھی جب تک دنیا میں اسلامی قوانین اور آئین و دستور کی بالادستی رہی، تمام اسلامی حکومتوں میں یہ قانون نافذ العمل رہا۔ اسی کی برکت تھی کہ کوئی طالع آزما، مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے، دین و مذہب کو بازیچہ اطفال بنانے، آئے دن مذاہب بدلنے اور اسلام سے بغاوت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

بلکہ اگر کسی شقی ازلی نے اس قسم کی جرأت کی تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب، سجاح اور طلیحہ جیسے بدقماشوں کا انجام اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ملی غیرت کے کارناموں سے اسلامی تاریخ مزین ہے۔

لیکن جوں جوں اس معمورۂ ارضی پر اسلامی اقتدار، خلافت اسلامیہ اور مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی، بدیسی حکمرانوں کا تسلط بڑھتا گیا اور جبر و استبداد نے اپنے پنجے گاڑلئے، تو جہاں دوسرے زرین اسلامی اصول و قوانین پامال کئے جانے لگے، وہاں سزائے ارتداد کے بے مثال قانون کو بھی حرف غلط کی طرح مٹادیا گیا۔

مرتد کی سزا کے معطل ہونے کے نقصانات

یہ اسی کی نحوست تھی کہ انگریزی اقتدار کے دور میں، ہندوستان میں جہاں دوسرے بے شمار فتنوں نے سر اٹھایا، وہاں اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کرتے ہوئے غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت کرکے نہ صرف خود مرتد ہوا، بلکہ اس نے بھولے بھالے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ایک تحریک شروع کردی۔

چونکہ اس وقت ہندوستان میں انگریزی اقتدار تھا اور غلام احمد قادیانی انگریزی اقتدار کی چھتری تلے یہ سب کچھ کررہا تھا، اس لئے مسلمان چاہنے کے باوجود بھی کچھ نہ کرسکے، لیکن جوں ہی مسلمانانِ ہندوستان کی قربانیوں اور مطالبہ پر اسلام کے نام پر مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی تو مسلمانوں کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ یہاں اسلامی آئین و قوانین نافذ کئے جائیں۔

شومئ قسمت کہ مسلمانوں کی اس آواز پر توجہ نہیں دی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان میں بھی اسلام دشمنوں اور خصوصاً قادیانیوں کا اثرونفوذ بڑھنے لگا، تو مسلمانوں نے ارباب اقتدار سے مطالبہ کیا کہ کم از کم ان کو ملت اسلامیہ سے الگ کاسٹ تصور کیا جائے، چنانچہ قریب قریب نوے سال کی محنت و جدوجہد کے بعد مسلمانوں کی یہ کوشش بار آور ہوئی اور قادیانیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

بایں ہمہ قادیانی ارتداد کا منہ زور گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا، تو اس کے سدباب کی خاطر پھر ایک تحریک چلی اور ۱۹۸۴ء میں امتناع قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا۔

لیکن قادیانی اپنے بیرونی آقاؤں کی شہ پر ارتدادی سرگرمیوں میں بدستور مصروف رہے، تو مسلمانوں نے مطالبہ کیا کہ ارتداد کی شرعی سزا کا قانون نافذ کیا جائے۔

مرتد کی سزا کا نفاذ، مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ

بلاشبہ اگر یہ قانون نافذ ہوتا تو اسلام دشمن قوتوں کو مسلمانوں کے دین و ایمان سے کھیلنے کی قطعاً جرأت نہ ہوتی اور نہ ہی مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوتی۔

گویا مسلمانوں کا روز اول سے یہ مطالبہ رہا کہ جب پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے‘ اور یہ اسلامی جمہوریہ کہلاتا ہے تو اس میں قانون بھی قرآن وسنت ہی کا ہونا چاہئے‘ لیکن چونکہ اس قانون کے نفاذ سے اسلام دشمنوں کی تمام تر سازشیں دم توڑ جاتیں‘ اوران کے منصوبوں پر اوس پڑ جاتی‘ اس لئے انہوں نے اپنے اثر ونفوذ سے اس کی راہ میں ایسی رکاوٹیں کھڑی کردیں کہ مسلمان حکمران اس کے نفاذ کی جرأت ہی نہ کرسکے۔

سزائے ارتداد کے نفاذ کی ضرورت کیوں؟

یوں تو مسلمانوں کا یہ قدیم ترین مطالبہ تھا اور ہے‘ مگر گزشتہ دنوں افغانستان میں مرتد ہوکر عیسائیت قبول کرنے والے عبدالرحمن کے کیس نے اس کی اہمیت وضرورت کو مزید دو چند کردیا ہے‘ کیونکہ بین الاقوامی سازش کے تحت اس معمولی واقعہ کو اخبارات اور میڈیا پر لاکر جہاں مسلمانوں کو تنگ نظر‘ تشدد پسند کہہ کر اسلامی آئین‘ خصوصاً سزائے ارتداد کے قانون کو بُری طرح نشانہ بنایا گیا‘ اور اس کو ظالمانہ قانون کے رنگ میں پیش کیا گیا ہے‘ ضرورت تھی کہ اس سلسلہ کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے قارئین کی خدمت میں کچھ حقائق پیش کردیئے جائیں۔

سزائے ارتداد اور افغانستان

افغانستان اور افغان قوم کا شروع ہی سے اسلام سے گہرا رشتہ رہا ہے‘ اور افغانستان نے کبھی بھی کسی جبر وتشدد اور بیرونی دباؤ کو قبول نہیں کیا‘ اسی طرح افغانستان میں کبھی کسی اسلام دشمن تحریک یا نظریہ کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکا‘ حتی کہ امیر حبیب اللہ کے دور میں جب غلام احمد قادیانی نے افغانستان میں اپنے دو نمائندے بھیجے تو امیر مرحوم نے بالفعل ان پر سزائے ارتداد جاری فرماکر ارتدادی تحریک کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے روک دیا۔

لیکن افغانستان میں جوں جوں دین و مذہب سے دوری ہوتی گئی‘ سازشی قوتوں اور ارباب کفر نے اپنے آلہ کاروں کے ذریعہ افغانستان کو اندرونی سازشوں اور طوائف الملوکی سے دوچار کردیا‘ پہلے روس نے اس کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی تو اسے منہ کی کھانا

پڑی‘ روس جیسی سپر طاقت کی شکست وریخت کے بعد امریکا بہادر کی رال ٹپکی اور اس نے افغانستان پر قبضہ کرکے اس پر عیسائیت کا جھنڈا گاڑنے کا منصوبہ بنایا۔

عبدالرحمن کے ارتداد کے پس پردہ مقاصد

افغانستان میں امریکی تسلط کے بعد بے شمار عیسائی این جی اوز متحرک ہوگئیں‘ افغانستان بلاشبہ بدترین مالی بدحالی کا شکار تھا اور ہے‘ مگر بایں ہمہ امریکا اور اس کی عیسائی این جی اوز اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے‘ کیونکہ مسلمانانِ افغانستان جانتے تھے کہ ارتداد کی سزا موت ہے اور مرتد ہونا موت کو گلے لگانے کے مترادف ہے‘ اس لئے آج سے پندرہ سال قبل مرتد ہوکر جرمنی چلے جانے والے عبدالرحمن کو افغانستان لاکر اس سے عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کروانے کے پس پردہ کئی ایک مقاصد کارفرما تھے‘ مثلاً:

الف:...... یہ باور کرایا جائے کہ افغانستان میں عیسائی این جی اوز کی تحریک اور کوششوں کے خاطر خواہ نتائج نکل رہے ہیں۔

ب:...... مسلمانوں کو ذہنی و اعصابی تناؤ میں مبتلا کرکے عیسائیت کی بالادستی کا احساس اجاگر کیا جائے۔

ج:...... اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کو ترجیح دینے اور مسلمانوں میں عیسائیت قبول کے رجحان کا تصور پیش کیا جائے۔

د:...... قانونِ ارتداد اور مرتد کی اسلامی سزا کے نفاذ کو اپنے اثر ونفوذ اور بین الاقوامی دباؤ کے ذریعہ معطل کرایا جائے۔

ہ:...... مرتد ہونے والے کو تحفظ دے کر دوسرے بے دینوں کو ذہناً اس پر آمادہ کیا جائے کہ تبدیلیٔ مذہب کی صورت میں ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا‘ بلکہ امریکا‘ برطانیہ‘ روس‘ جرمنی‘ فرانس‘ اٹلی‘ ڈنمارک‘ ہالینڈ وغیرہ غرض پوری عیسائی دنیا تمہاری پشت پر ہے اور تبدیلیٔ مذہب کی صورت میں انہیں نہ صرف تحفظ فراہم کیا جائے گا‘ بلکہ ہر طرح کے ساز وسامان کے ساتھ ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ ملک کی شہریت بھی دی جائے گی۔

و:...... افغانستان میں بالفعل امریکا اور عیسائیت کی بالادستی اور حکمرانی ہے کہ

مسلمان ملک کے مسلمان حکمران اور مسلمان عدلیہ بھی ایک اسلامی سزا کے نفاذ میں بے بس ہیں' چنانچہ مرتد عبدالرحمن کے اس اعتراف کے باوجود کہ: ''میں نے عیسائیت قبول کرلی ہے اور میں اس کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں'' افغان عدالت کے جج انصار اللہ مولوی زادہ کا یہ کہنا کہ ناکافی ثبوت کی بنا پر اسے رہا کیا جاتا ہے' افغان عدالت اور افغان حکومت کی بے بسی کی واضح دلیل ہے۔

ز:...... سزائے ارتداد کے اسلامی قانون اور فطرت پر مبنی دستور کو متنازعہ بنایا جائے' دنیائے عیسائیت' انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس کے خلاف بولنے کا موقع دے کر غیر متعصب کفار کے علاوہ خود مسلمانوں کے دلوں میں بھی اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں' اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اس کے نفاذ کو انسانیت کی توہین باور کرایا جائے۔

چنانچہ اس واقعہ کے اخبارات میں شائع ہونے پر جہاں ملحدین و بے دینوں کو اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ہوئی' وہاں نام نہاد مسلمان اسکالروں کو بھی اس قانون میں کیڑے نکالنے کا موقع میسر آ گیا۔

مسلم وکافر اور مرتد کی تعریف اور ہر ایک کا حکم

اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ قرآن وسنت' اجماع' قیاس' فقہ وفتاویٰ اور عقل وشعور کی روشنی میں اس سلسلہ کی تصریحات نقل کردی جائیں' مگر سب سے پہلے اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ مرتد کس کو کہتے ہیں اور سزائے ارتداد کی کیا کیا شرائط ہیں؟

بلاشبہ دنیا میں بسنے والے انسان دین ومذہب کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو قسم ہیں: ایک مسلمان اور دوسرے غیر مسلم۔

پھر غیر مسلموں کی بھی متعدد اقسام ہیں' مگر پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کیا ہے؟

مسلم:...... جو لوگ اللہ تعالیٰ' اس کے ملائکہ' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں' آخرت' بعث بعدالموت اور اس بات پر ایمان لاتے ہوں کہ اچھی اور بری تقدیر اللہ ہی

کی جانب سے ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور آخری نبی اور آپ کے لائے ہوئے دین وشریعت کو حضرات صحابہ کرام' تابعین' تبع تابعین اور اسلاف امت کی تشریحات کی روشنی میں مانتے ہوں' وہ مسلمان ہیں۔

غیر مسلم:...... جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' دین وشریعت' یا مذکورہ بالا تمام عقائد یا ان میں سے کسی ایک کے منکر ہوں' یا ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرتے ہوں' وہ غیر مسلم ہیں' خواہ وہ اپنے آپ کو ہندو' سکھ' پارسی' زرتشتی' یہودی' عیسائی' بدھ' قادیانی' مرزائی (جو اپنے آپ کو احمدی بھی کہتے ہیں)' ذکری اور آغا خانی کہتے ہوں' یا اس کے علاوہ اپنے آپ کو کسی دوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں' وہ سب کے سب غیر مسلم ہیں۔

چونکہ غیر مسلم بھی اپنے بعض مخصوص عقائد ونظریات اور رہائش وسکونت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے احکام بھی جدا جدا ہیں' اس لئے ان کی اقسام' تعریف اور حکم بھی معلوم ہونا چاہئے۔

اول:...... غیر مسلم باعتبار عقائد ونظریات کے سات قسم ہیں:

۱:...... کھلے کافر' ۲:...... مشرک' ۳:...... دہریہ' ۴:...... معطل' ۵:...... منافق' ۶:...... زندیق جو ملحد اور باطنی بھی کہلاتے ہیں' ۷:...... مرتد۔

دوم:...... پھر ان سب کا باعتبار جنگ وامن اور رہائش وسکونت جدا جدا حکم ہے' لہٰذا غیر مسلموں کی اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور حکم ملاحظہ ہو:

کھلا کافر:...... جسے کافر مطلق بھی کہا جاتا ہے' وہ ہے جو علی الاعلان اسلامی اعتقادات کا منکر ہو اور اپنے آپ کو مسلمان برادری سے الگ تصور کرتا ہو' جیسے ہندو' سکھ' یہودی اور عیسائی وغیرہ۔

مشرک:...... مشرک وہ ہے' جو چند معبودوں کا قائل ہو' یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ بھی کسی حجر وشجر یا مورتی وغیرہ کو نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہو۔

دہریہ:...... دہریہ وہ ہے جو حوادث عالم کو زمانہ کی طرف منسوب کرتا ہو اور زمانہ کو قدیم مانتا ہو' یعنی زمانہ کو ہی خالق عالم اور ازلی وابدی مانتا ہو۔

معطل:...... معطل وہ ہے جو خالق عالم کا سرے سے منکر ہو۔

منافق:...... منافق وہ ہے جو ظاہراً' زبانی کلامی اور جھوٹ موٹ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتا ہو' مگر اندر سے کافر ہو۔

زندیق:...... زندیق وہ ہے جو اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا ملمع کرتا ہو اور اپنے فاسد وکفریہ عقائد کو ایسی صورت میں پیش کرتا ہو کہ وہ سرسری نظر میں صحیح معلوم ہوتے ہوں' ایسے شخص کو عربی میں ملحد اور باطنی بھی کہتے ہیں۔

مرتد:...... مرتد وہ ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دوسرے دین کو اختیار کرلے۔

اب مذکورۃ الصدر غیر مسلموں میں سے ہر ایک کا حکم ملاحظہ ہو:

کھلا کافر:...... اگر ایسا شخص کسی غیر مسلم ملک میں رہتا ہو' اور وہ ملک اسلامی مملکت سے برسرپیکار ہو' تو یہ شخص حربی کافر کہلائے گا اور مسلمانوں پر ایسے شخص کی جان و مال' عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' لیکن اگر ایسا شخص کسی ایسے غیر مسلم ملک میں رہتا ہو جس کا مسلمان مملکت سے دوستی کا معاہدہ ہو تو یہ شخص بھی مسلمانوں کا حلیف کہلائے گا' اگر یہ کسی دوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث نہ ہو تو مسلمان اس کی جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے' چنانچہ ایسا شخص اگر مسلمان ملک میں ویزہ لے کر آئے تو یہ مستأمن کہلائے گا' اور مسلمانوں پر اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ لازم ہوگا۔

اسی طرح اگر یہ شخص کسی مسلمان ملک کا پرامن شہری ہو اور شہری واجبات یعنی جزیہ وغیرہ ادا کرتا ہو اور کسی ملک وملت دشمنی کا مرتکب بھی نہ ہو' تو یہ ذمی کہلائے گا اور اس کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت وصیانت اسلامی مملکت اور مسلمانوں پر واجب ہوگی۔

مشرک:...... مشرک کا بھی بعینہ یہی حکم ہے۔

اس کے علاوہ دہریہ' معطل' منافق' زندیق اور مرتد بھی اگر کسی ایسی غیر مسلم مملکت میں رہتے ہوں جن سے مسلمانوں کا کسی قسم کی دوستی کا کوئی معاہدہ نہ ہو تو ان پر کسی قسم کے کوئی احکام جاری نہیں ہوں گے۔

اسی طرح اگر کوئی منافق' مسلمان ملک میں رہتا ہو اور کسی قسم کی ملک وملت دشمنی

میں ملوث نہ ہو تو مسلمان اس سے بھی تعرض نہیں کریں گے' لیکن اگر کوئی زندیق' دہریہ' معطل اور مرتد اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب کرے' تو چاہے وہ بظاہر کتنا ہی امن پسند کیوں نہ کہلاتا ہو' مسلمان حکمران' اسلامی قانون کی روشنی میں اسے اس بدترین کردار اور گھناؤنے جرم کی سزا دے گا' کیونکہ کسی مملکت کے سربراہ پر اپنے شہریوں کے دین و ایمان کی حفاظت لازم ہے' اور جو لوگ مسلمانوں کے دین و ایمان سے کھیلنا چاہیں' ان کا مواخذہ کرنا مسلمان حکمران کا فرض اور بنیادی حق ہے' کیونکہ مسلمان حکمران کو ارشاد نبوی:

"کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ"

(مشکوٰۃ ص:۳۲۰)

ترجمہ:...... "تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارہ میں پوچھا جائے گا۔"

کے مصداق اپنے شہریوں کی اصلاح کا مکمل اختیار ہے' لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ ایسے لادین افراد کی ملت دشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے اور ان کی خفیہ شرارتوں' سازشوں اور شر وفساد سے اپنی رعایا کے دین وایمان کی حفاظت کرے' چنانچہ اگر اسلامی مملکت کا کوئی شہری زندقہ اختیار کرے اور گرفتاری سے قبل از خود اس جرم سے توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی' لیکن اگر گرفتاری کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی' چنانچہ حضرت امام مالکؒ وغیرہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کرتے' حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے' علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ اگر اسلامی مملکت کا کوئی شہری خدانخواستہ مرتد ہوجائے تو اس کے احکام ان سب سے جدا ہیں' مثلاً:

عورت، مرد اور مرتد بچے کا حکم

اگر مرتد ہونے والی خاتون ہو تو اس کو گرفتار کرکے جیل میں ڈالا جائے' اس کے کوئی شبہات ہوں تو دور کئے جائیں اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے' اگر توبہ کرے تو فبہا' ورنہ اسے زندگی بھر کے لئے جیل میں قید رکھا جائے تاآنکہ وہ مرجائے یا توبہ

کرے۔

اگر کوئی نابالغ بچہ مرتد ہوجائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ دین و مذہب کو سمجھتا ہے اور عقل وشعور کے سن کو پہنچ چکا ہے تو اس کا حکم بھی مرتد ہونے والے مرد کا ہے' اور اگر بالکل چھوٹا اور ناسمجھ ہے تو اس پر ارتداد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مجنون یا پاگل ارتداد کا ارتکاب کرے تو اس پر بھی ارتداد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

اگر کوئی عاقل' بالغ مرد ارتداد کا ارتکاب کرے تو اس کو گرفتار کرکے تین دن تک اس کو مہلت دی جائے گی' اس کے شبہات دور کئے جائیں گے' اگر مسلمان ہوجائے تو فبہا' ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا۔

مرتد کی سزا قرآن پاک کی روشنی میں

قرآن وسنت' اجماع امت اور فقہائے امت کا یہی فیصلہ ہے اور عقل و دیانت کا بھی یہی تقاضا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

''انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا اوتقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض' ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم' الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور الرحیم۔''

(المائدہ: ۳۳'۳۴)

ترجمہ:...... ''یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو' کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دور کردیے جائیں اس جگہ

سے' یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے' مگر جنہوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'':

واقعہ عرینہ

اس آیت کے ذیل میں تمام مفسرین ومحدثین نے عکل وعرینہ کے ان لوگوں کا واقعہ لکھا ہے جو اسلام لائے تھے' مگر مدینہ منورہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شکایت پر ان کو صدقہ کے اونٹوں کے ساتھ بھیج دیا' جہاں وہ ان کا دودھ وغیرہ پیتے رہے' جب وہ ٹھیک ہوگئے تو مرتد ہوگئے اور اونٹوں کے چرواہے کو قتل کرکے صدقہ کے اونٹ بھگا لے گئے' جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے الٹے' سیدھے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور وہ حرہ میں ڈال دیئے گئے' پانی مانگتے رہے' مگر ان کو پانی تک نہ دیا' یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرگئے۔

اسی لئے امام بخاریؒ نے اس آیت کے تحت عنوان بھی اسی انداز کا قائم فرمایا ہے' جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ چونکہ مرتد اور محارب تھے' اس لئے ان کو قتل کیا گیا' چنانچہ امام بخاریؒ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

''باب لم یسق المرتدون المحاربون حتی ماتوا۔''

(ص:۱۰۰۵' ج:۲)

اگرچہ امام بخاریؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ کرام اس کے قائل ہیں کہ محارب جیسے کفار ہوسکتے ہیں' ویسے مسلمان بھی ہوسکتے ہیں' لیکن اتنی بات واضح ہے کہ اس آیت کی روشنی میں ایسے لوگ جو مرتد ہوجائیں' اللہ اور اس کے رسول سے محاربہ کریں' وہ واجب القتل ہیں۔

مرتد کی سزا احادیث کی روشنی میں

اس سلسلہ میں صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے متعدد ارشادات اور حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل منقول ہے' ذیل میں اس سلسلہ کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

حدیث: ابن عباسؓ:

۱:......"عن عکرمة قال: اتی علی رضی الله عنه بزنادقة فاحرقهم' فبلغ ذالک ابن عباسؓ' فقال: لو کنت انا لم احرقهم لنهی رسول الله صلی الله علیه وسلم' قال: لا تعذبوا بعذاب الله' ولقتلتهم لقول رسول الله صلی الله علیه وسلم: من بدل دینه فاقتلوه۔"

(صحیح بخاری' ص ۱۰۲۳' ج۲' ص:۴۲۳' ج:۱' ابوداؤد ص:۲۴۲' ج:۲' نسائی ص:۱۶۹' ج:۲' ترمذی ص:۱۷۶' ج:۱' مسند احمد ص: ۲۱۷' ج:۱' ص:۲۸۲' ۲۸۳' ج:۱' سنن کبریٰ بیہقی ص:۱۹۵' ج:۸' مستدرک حاکم ص:۵۳۸ ج:۳' مشکوٰۃ ص:۳۰۷)

ترجمہ:......"حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو آگ میں جلا دیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو فرمایا: میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا' اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسا عذاب نہ دو جو اللہ تعالیٰ (جہنم میں) دیں گے' میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:"جو شخص دین تبدیل کرے' اس کو قتل کردو" کے تحت قتل کردیتا۔"

۲:......"عن عکرمة قال قال ابن عباسؓ قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من بدل دینه فاقتلوه۔"

(نسائی ص:۱۴۹' ج:۲' سنن ابن ماجہ ص:۱۸۲)

ترجمہ:......"حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دین تبدیل کرکے

مرتد ہوجائے' اس کو قتل کردو۔"

۳:......"عن ابن عباس رضی الله عنه قال: کان عبدالله بن سعد بن ابی سرح یکتب رسول الله صلی الله علیه وسلم' فازله الشیطن' فلحق بالکفار فامر به رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یقتل یوم الفتح' فاستجار له عثمان بن عفانؓ فاجاره رسول الله صلی الله علیه وسلم۔"

(ابوداؤد ص۲۵۱' ج:۲' نسائی ۱۶۹' ج:۲)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب وحی تھا' اسے شیطان نے بہکایا تو وہ مرتد ہوکر کفار سے مل گیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم فرمایا' مگر حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے پناہ طلب کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی (چنانچہ وہ بعد میں دوبارہ مسلمان ہوگیا)۔"

۴:......"عن انس ان علیا اتی بناس من الزط یعبدون وثناً فاحرقهم' قال ابن عباسؓ انما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من بدل دینه فاقتلوه۔"

(سنن نسائی ص:۱۶۹' ج:۲' مسند احمد ص:۳۲۳' ج:۱)

ترجمہ:......"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زط (سوڈان) کے کچھ لوگ لائے گئے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے' آپؓ نے ان کو آگ میں جلا دیا' اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:"جو شخص اسلام چھوڑ کر مرتد ہوجائے' اس کو قتل کردو۔"

حدیث: ابوموسیٰ اشعریؓ:

"عن ابی موسیٰؓ قال اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم...... فقال:...... و لکن اذھب انت یا ابا موسیٰ او یا عبداللہ بن قیس الی الیمن' ثم اتبعہ معاذ بن جبل' فلما قدم علیہ القی لہ وسادۃ قال: انزل و اذا رجل عندہ موثق قال: ما ھذا؟ قال: کان یھودیاً فاسلم ثم تھود' قال: اجلس! قال: لا اجلس حتی یقتل' قضاء اللہ و رسولہ ثلث مرات فامر بہ فقتل......الخ" (صحیح بخاری ص:۱۰۲۳' ج:۲' صحیح مسلم ص:۱۲۱' ج:۲' ابوداؤد ص:۲۴۲' ج:۲' نسائی ص:۱۶۹' ج:۲' سنن کبریٰ بیہقی ص:۱۹۵' ج:۸)

ترجمہ:......"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' آپؐ نے فرمایا: ابوموسیٰ یا عبداللہ بن قیس! یمن جاؤ' اس کے بعد آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو بھی میرے پیچھے یمن بھیج دیا' حضرت معاذؓ یمن پہنچے اور ان کے بیٹھنے کے لئے مسند لگائی گئی تو انہوں نے دیکھا کہ (حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس) ایک آدمی بندھا ہوا ہے' حضرت معاذؓ نے پوچھا: اس کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا' پھر اسلام لایا اور اب یہ مرتد ہوگیا ہے' آپؓ نے فرمایا: جب تک اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کے مطابق قتل نہیں کردیا جاتا' میں نہیں بیٹھوں گا' انہوں نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا' چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ نے اس کے قتل کا حکم دیا' جب وہ قتل ہوگیا تو حضرت معاذؓ تشریف فرما ہوئے۔"

حدیث: عبداللہ بن مسعودؓ:

ا:......"عن عبداللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... لایحل دم رجل مسلم یشھد ان لا الٰہ الا

اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو' اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑا دو' اور جونسی عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجائے تو اسے بھی دعوت دو' اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو' اگر توبہ سے انکار کرے تو برابر توبہ کا مطالبہ کرتے رہو (یعنی اس کو قتل نہ کرو)۔"

حدیث: جریرؓ:

ترجمہ:......"حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ اسلام سے کفر کی طرف واپس لوٹ جائے' اس کا قتل کرنا حلال ہوجاتا ہے۔"

حدیث: حسنؒ:

"عن الحسن رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بدل دینہ فاقتلوہ۔"

(نسائی ص:۱۶۹' ج:۲)

ترجمہ:......"حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے' اس کو قتل کردو۔"

حدیث: زید بن اسلمؒ:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من غیر دینہ فاضربوا عنقہ۔"

(موطا امام مالک ص:۶۳۰' جامع الاصول ص:۴۷۹' ج:۳)

ترجمہ:......"حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اپنائے اس کی گردن کاٹ دو۔"

امام مالک اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"قال مالک و معنی قول النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فیما نری واللّٰہ اعلم من غیر دینه فاضربوا عنقه' وانه من خرج من الاسلام الی غیره' مثل الزنادقة واشباههم' فان اولئک اذا ظهر علیهم قتلوا' ولم یستتابوا' لانه لا یعرف توبتهم' یستتاب هؤلاء ولایقبل منهم قولهم' واما من خرج من الاسلام الی غیره واظهر ذلک فانه یستتاب' فان تاب' یسرون الکفر ویعلنون الاسلام فلا اریٰ ذلک ان والا قتل مه ذلک لو ان قوما کانوا علی ذلک رایت ان یدعوا الی الاسلام ویستتابوا' فان تابوا قبل ذلک منهم' وان لم یتوبوا قتلوا' ولم یعن بذلک فیما نری' واللّٰہ اعلم' من خرج من الیهودیة الی النصرانیة ولا من النصرانیة الی الیهودیة' ولا من یغیر دینه من اهل الادیان کلها الا الاسلام فمن خرج من الاسلام الی غیره واظهر ذلک فذلک الذی عنی به۔"

(موطا امام مالک ص:۶۳۰ میر محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ:..... "امام مالکؒ سے ارتداد کی تعریف میں منقول ہے کہ: ارتداد کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اسلام سے نکل کر کسی دوسرے مذہب میں داخل ہوجائے' جیسے کوئی زندیق ہوجائے' ایسے لوگوں کے بارہ میں اصول یہ ہے کہ جب زندیق پر غلبہ وتسلط حاصل ہوجائے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے' کیونکہ ان لوگوں کی توبہ کا اندازہ نہیں ہوسکتا' اس لئے کہ یہ لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں' پس میرا خیال یہ ہے کہ ان کے کفر کی بنا پر ان کو قتل کردیا جائے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں: ہاں اگر کوئی اسلام سے نکل کر

مرتد ہوجائے تو اس سے توبہ کرائی جائے' توبہ کرلے تو فبہا' ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "من بدل دینه فاقتلوه" کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب کو اختیار کرلے وہ مرتد ہے' لہٰذا وہ شخص مرتد نہیں کہلائے گا جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین پر تھا' اور اس نے اپنا وہ مذہب چھوڑ کر کوئی دوسرا دین و مذہب اختیار کرلیا' لہٰذا نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا' مثلاً: اگر کوئی یہودی' نصرانی بن جائے یا کوئی نصرانی' مجوسی بن جائے' خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو' نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا۔"

حدیث: عبدالرحمن بن محمدؒ:

"عن عبدالرحمن بن محمد بن عبداللّٰہ بن عبدالقاری رحمه اللّٰہ' عن ابیه انه قال: قدم علی عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه رجل من قبل ابی موسی الاشعری' فساله عن الناس فاخبره؟ ثم قال له عمر عمر بن الخطاب: هل کان فیکم من مُغربة خبر؟ فقال نعم' رجل کفر بعد اسلامه' قال: فما فعلتم به؟ قال: قربناه فضربنا عنقه' فقال عمر: افلا حبستموه ثلاثا' واطعمتموه کل یوم رغیفا' واستتبتموه لعله یتوب و یراجع امر اللّٰہ؟ ثم قال عمر اللّٰهم انی لم احضر' ولم آمر' ولم ارض اذ بلغنی۔"

(موطا امام مالک ص:۶۳۰' میر محمد کتب خانہ' جامع الاصول ص:۴۷۹' ج:۳)

ترجمہ:..... "حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالقاریؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں حضرت ابوموسیٰؓ کی جانب سے یمن کا ایک شخص آپؓ کی خدمت میں آیا' آپؓ نے پہلے تو وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کئے' پھر اس

سے پوچھا کہ وہاں کی کوئی نئی یا انوکھی خبر؟ اس نے کہا: جی ہاں!
ایک آدمی اسلام لایا تھا' مگر بعد میں وہ مرتد ہوگیا' آپؓ نے فرمایا:
پھر تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم
نے اس کو پکڑ کر اس کی گردن اڑا دی' آپؓ نے فرمایا: تم نے پہلے
اسے تین دن تک قید کر کے اس سے توبہ کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟ ممکن
ہے وہ توبہ کر لیتا؟ پھر فرمایا: اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا' نہ میں
نے اس کے قتل کا حکم دیا اور جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں ان
کے اس فعل پر راضی بھی نہیں ہوں۔"

تشریح:...... گویا مرتد کے قتل سے پہلے استحباباً اس کو توبہ کا ایک موقع ملنا چاہیے تھا' چونکہ مرتد کو وہ موقع نہیں دیا گیا' تو حضرت عمرؓ نے ترک مستحب کی اس بے احتیاطی کو بھی برداشت نہیں کیا اور اس سے برأت کا اظہار فرمایا۔

اس سلسلہ میں امام ترمذیؒ فقہائے امت کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و العمل علی هذا عند اهل العلم فی المرتد' واختلفوا فی المرأة اذا ارتدت عن الاسلام' فقالت طائفة من اهل العلم تقتل' وهو قول الاوزاعی واحمد و اسحق' و قالت طائفة منهم تحبس ولا تقتل' و هو قول سفیان الثوری وغیره من اهل الکوفة۔"

(ترمذی ابواب الحدود باب ما جاء فی المرتد ص: ۱۷۰' ج: ۱)

ترجمہ:...... "مرتد مرد کے بارہ میں اہل علم کا یہی موقف ہے کہ اسے قتل کردیا جائے' ہاں اگر کوئی خاتون مرتد ہوجائے تو امام اوزاعیؒ احمد اور اسحٰق کا موقف یہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے' لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے' بلکہ قید کردیا جائے' اگر توبہ کرلے تو فبہا' ورنہ زندگی بھر اسے جیل میں رکھا

جائے۔ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔"

مرتد کی سزا آئمہ اربعہ کے نزدیک

ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے' اس کے شبہات دور کئے جائیں' اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے' اگر اسلام لے آئے تو فبہا' ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔
ملاحظہ ہو ائمہ اربعہ کی تصریحات:

فقہ حنفی:

ہدایہ میں ہے:

"واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعیاذ بالله. عرض علیه الاسلام فان کانت له شبهة کشفت عنه ویحبس ثلاثة ایام فان اسلم والاقتل۔"

(ہدایہ اولین ص: ۵۸۰' ج: ۱)

ترجمہ:...... "اور جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ! اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے' اس کو کوئی شبہ ہو تو دور کیا جائے' اس کو تین دن قید رکھا جائے' اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک' ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔"

فقہ شافعی:

المجموع شرح المہذب میں ہے:

"اذا ارتد الرجل وجب قتله' سواء کان حرا اوعبدا...... وقد انعقد الاجماع علی قتل المرتد۔"

(المجموع شرح المہذب ص: ۲۲۸' ج: ۱۹)

ترجمہ:...... ''اور جب آدمی مرتد ہوجائے تو اس کا قتل واجب ہے' خواہ وہ آزاد ہو یا غلام' اور قتلِ مرتد پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔''

فقہ حنبلی:

المغنی اور الشرح الکبیر میں ہے:

''واجمع اهل العلم علی وجوب قتل المرتد' وروی ذلک عن ابی بکر و عمر و عثمان و علی و معاذ وابی موسیٰ وابن عباس وخالد (رضی الله عنهم) وغیرهم' ولم ینکر ذلک فکان اجماعاً۔''

(المغنی مع الشرح الکبیر ص:۷۴' ج:۱۰)

ترجمہ:...... ''قتل مرتد کے واجب ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے' یہ حکم حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' علی' معاذ' ابوموسیٰ' ابن عباس' خالد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور اس کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا' اس لئے یہ اجماع ہے۔''

فقہ مالکی:

ابن رشد مالکی ''بدایۃ المجتهد'' میں لکھتے ہیں:

''والمرتد اذا ظفر به قبل ان یحارب فاتفقوا علی انه یقتل الرجل لقوله علیه الصلوۃ والسلام: "من بدل دینه فاقتلوه۔"

(بدایۃ المجتهد ص:۳۴۳' ج:۲)

ترجمہ:...... ''اور مرتد جب لڑائی سے قبل پکڑا جائے تو تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا' کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص اپنا مذہب بدل کر مرتد ہوجائے' اس کو قتل کردو۔''

ارتداد کا پس منظر

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگ مرتد ہی کیوں ہوتے ہیں؟ بلاشبہ یہ ایک اہم سوال ہے' لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ دراصل اسلام دشمنوں کی روز اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ حق کے متلاشیوں کو جادۂ مستقیم سے بچلا کر ضلال و گمراہی کے گہرے غاروں میں دھکیل دیا جائے' شروع میں تو انہوں نے کھل کر اپنے اس مشن کو نبھانے کی کوشش کی' مگر جب ماہتاب نبوت' آفتاب نصف النہار بن کر چمکنے لگا اور اس کی چکاچوند روشنی کے سامنے باطل ٹک نہ سکا تو آئمہ کفر وضلال ردائے نفاق اوڑھ کر اس کے خلاف زیر زمین سازشوں میں مصروف ہوگئے۔

چنانچہ صبح کو اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے تو شام کو وہ اسلام سے بیزاری کا سوانگ رچاکر مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی سازش کرتے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

''وقالت طائفة من اهل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجه النهار واکفروا آخره لعلهم یرجعون۔''

(آل عمران:۷۲)

ترجمہ: ''اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے (حق سے پھیرنے کی یہ سازش تیار کی کہ آپس میں) کہا کہ تم (ظاہری طور پر) ایمان لے آؤ اس (دین وکتاب) پر جو اتارا گیا ایمان والوں پر دن کے شروع میں اور اس کا انکار کردو اس کے آخری حصہ میں' تاکہ اس طرح یہ لوگ پھر جائیں (دین وایمان سے)۔''

گویا وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اگر اسلام میں کوئی کشش یا صداقت ہوتی تو سوچ سمجھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے اس سے باہر کیوں آتے؟ یقیناً جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے خیر باد کہہ رہے ہیں' انہوں نے ضرور اس میں کوئی کمی' کجی یا کمزوری دیکھی ہوگی؟

حالانکہ جن لوگوں نے اسلامی احکام و آداب کا مطالعہ کر کے اور غور و فکر کے بعد اسے قبول کیا اور نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا' تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کسی نے کبھی اس سے بیزاری یا اس سے ارتداد کا ارتکاب تو کجا؟ اس پر سوچا تک نہیں' جیسا کہ صحیح بخاری کی مشہور حدیث' حدیث ہرقل میں حضرت ابوسفیان اور ہرقل کے مکالمہ میں اس کی وضاحت و صراحت موجود ہے' چنانچہ جب ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ ملنے پر ابوسفیان سے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے حریف تھے' یہ پوچھا کہ:

"......هل يرتد احدمنهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطةً له؟ قال: لا......"

ترجمہ:......"ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی اس کو ناپسند کر کے یا اس سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔"

پھر اسی حدیث کے آخر میں ہرقل نے اپنے ایک ایک سوال اور ابوسفیان کے جواب کی روشنی میں اس کی وضاحت کی کہ میں اپنے سوالوں اور تیرے جوابات کی روشنی میں' جن نتائج پر پہنچا ہوں' وہ یہ ہیں کہ:

"......وسائلتك هل يرتد احد منهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطة فزعمت ان لا' وكذالك الايمان اذا خالط بشاشة القلوب۔" (صحیح بخاری ص:۶۵۳' ج:۲)

ترجمہ:......"اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی شخص اسلام سے ناراض ہوکر یا اس سے متنفر ہوکر کبھی مرتد بھی ہوا ہے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہیں ہوا' تو سنو! یوں ہی ہے کہ شرح صدر کے ساتھ جب ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو نکلا نہیں کرتا۔"

اسلام میں جبر نہیں

بلاشبہ اسلام جبر و تشدد کا مذہب نہیں اور نہ ہی کسی کو جبراً و قہراً اسلام میں داخل کیا جاتا ہے' بلکہ قرآن و حدیث میں وضاحت و صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص دل و جان سے اسلام قبول نہ کرے' نہ صرف یہ کہ اس کا اسلام معتبر نہیں' بلکہ ایسا شخص قرآنی اصطلاح میں منافق ہے اور منافق جہنم کے نچلے درجے کی بدترین سزا کا مستحق ہے' اسی لئے قرآن کریم میں ہے:

"لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي۔"

(البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ:......"دین اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جاتا' اس لئے کہ ہدایت' گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔"

مرتد کی سزا عقل و شعور کی روشنی میں

اسی طرح عقل و شعور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی مرضی سے اور برضا و رغبت اسلام میں داخل ہو جائے تو اسے اسلام سے برگشتگی اور مرتد ہونے کی بھی اجازت نہیں دی جائے گی' کیونکہ بالفرض اگر نعوذ باللہ! کسی کو اسلام یا اسلامی تعلیمات میں کوئی شک و شبہ تھا تو اس نے اسلام قبول ہی کیوں کیا؟ لہٰذا ایسا شخص جو اپنی مرضی اور رضا و رغبت سے اسلام میں داخل ہوگیا' اب اسے مرتد ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی' اس لئے کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر نہ صرف اپنا دین و مذہب بدلا ہے' بلکہ اس قبیح اور بدترین فعل کے ذریعہ اس نے دین و شریعت' اسلامی تعلیمات اور اسلامی معاشرہ کو داغ دار کرنے اور اسلامی تعلیمات کو مطعون و بدنام کرنے کی بدترین سازش کی ہے' اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کی مثال کھلے کافر کی تھی' لیکن اب اس کی حیثیت اسلام کے باغی کی ہے' اور دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ جو شخص کسی ملک کا شہری نہ ہو اور وہ اس ملک کے

قوانین کو تسلیم نہ کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا' لیکن جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت لے لے تو اسے اس ملک کے شہری اور اخلاقی قوانین کا پابند کیا جائے گا' لیکن اگر کوئی خود سر اس ملک کی شہریت لینے کا دعویدار بھی ہو اور اس کے احکام وقوانین اور اصول وضوابط کے خلاف اعلانِ بغاوت بھی کرے تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں' لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ملک' اس کے قوانین وضوابط یا کسی ملک کے سربراہ سے بغاوت کی پاداش میں سزائے موت کا مستحق ہے' تو کیا وجہ ہے کہ اسلام' اسلامی قوانین اور پیغمبر اسلام سے بغاوت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق نہ ہو؟

مرتد کی سزا کے فوائد

اگر دیکھا جائے اور اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو اسلامی شریعت کا سزائے ارتداد کا یہ قانون عین فطرت ہے' جس میں نہ صرف مسلمانوں' بلکہ اسلام سے مرتد ہونے والے ان کوتاہ عقلوں کا سراسر فائدہ اور دنیا وآخرت کا نفع ہے۔

اس لئے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اس دین ومذہب میں دنیا کی فوز وفلاح اور نجات اخروی کا دارومدار ہے' اس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے:

''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔'' (المائدہ:۳)

ترجمہ:...... ''آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔''

''ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ' وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔'' (آل عمران:۸۵)

ترجمہ:...... ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین ومذہب کو اپنائے گا' اللہ کے ہاں اسے قبولیت نصیب نہیں ہوگی اور وہ آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔''

مرتد باغی ہے

تمام مہذب ملکوں' حکومتوں اور مہذب قوانین میں باغی کی سزا موت ہے' اور اسلام کا باغی وہ ہے جو اسلام سے مرتد ہوجائے' اس لئے اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے' لیکن اس میں بھی اسلام نے رعایت دی ہے' دوسرے لوگ باغیوں کو کوئی رعایت نہیں دیتے' گرفتار ہونے کے بعد اگر اس پر بغاوت کا جرم ثابت ہوجائے تو سزائے موت نافذ کردیتے ہیں' وہ ہزار معافی مانگے' توبہ کرے اور قسمیں کھائے کہ آئندہ بغاوت کا جرم نہیں کروں گا' اس کی ایک نہیں سنی جاتی اور اس کی معافی ناقابل قبول سمجھی جاتی ہے' اسلام میں بھی باغی یعنی مرتد کی سزا قتل ہے' مگر پھر بھی اتنا رعایت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جاتی ہے' اس کو تلقین کی جاتی ہے کہ توبہ کرلے' معافی مانگ لے تو سزا سے بچ جائے گا' افسوس ہے کہ پھر بھی اسلام میں مرتد کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے' اگر امریکا کے صدر کا باغی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کرے اور اس کی سازش پکڑی جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں' روس کی حکومت کا تختہ الٹنے والا پکڑا جائے یا جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا پکڑا جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر دنیا کے کسی مہذب قانون اور کسی مہذب عدالت کو کوئی اعتراض نہیں' لیکن تعجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر اگر سزائے موت جاری کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نہیں ہونی چاہئے' اسلام تو باغی مرتد کو پھر بھی رعایت دیتا ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے' اس کے شبہات دور کئے جائیں اور کوشش کی جائے کہ وہ دوبارہ مسلمان ہوجائے' معافی مانگ لے تو کوئی بات نہیں' اس کو معاف کردیا جائے گا' لیکن اگر تین دن کی مہلت اور کوشش کے بعد بھی وہ اپنے ارتداد پر اڑا رہے' توبہ نہ کرے تو اللہ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کردیا جائے' کیونکہ یہ ناسور ہے' خدانخواستہ کسی کے ہاتھ میں ناسور ہوجائے تو ڈاکٹر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں' اگر انگلی میں ناسور ہوجائے تو انگلی کاٹ دیتے ہیں اور سب دنیا جانتی ہے کہ یہ ظلم نہیں' بلکہ شفقت ہے' کیونکہ اگر ناسور کو نہ کاٹا گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرایت کرجائے گا' جس

سے موت یقینی ہے' پس جس طرح پورے بدن کو ناسور کے زہر سے بچانے کے لئے ناسور کو کاٹ دینا ضروری ہے اور یہی دانائی اور عقلمندی ہے' اسی طرح ارتداد بھی ملت اسلامیہ کے لئے ایک ناسور ہے' اگر مرتد کو توبہ کی تلقین کی گئی' اس کے باوجود اس نے اسلام میں دوبارہ آنے کو پسند نہیں کیا تو اس کا وجود ختم کردینا ضروری ہے' ورنہ اس کا زہر رفتہ رفتہ ملت اسلامیہ کے پورے بدن میں سرایت کرجائے گا۔ الغرض مرتد کا حکم ائمہ رابعہ کے نزدیک اور پوری امت کے علماء اور فقہاء کے نزدیک یہی ہے جو میں عرض کرچکا ہوں اور یہی عقل ودانش کا تقاضا ہے اور اسی میں امت کی سلامتی ہے۔

زندیق کی توبہ اور سزا

اور زندیق جو اپنے کفر کو اسلام ثابت کرنے پر تلا ہوا ہو' اس کا معاملہ مرتد سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ امام شافعی اور مشہور روایت میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حکم بھی مرتد کا ہے' یعنی اس کو موقع دیا جائے کہ وہ توبہ کرلے' اگر تین دن میں اس نے توبہ کرلی تو اس کو چھوڑ دیا جائے گا' اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ بھی واجب القتل ہے۔ پس ان حضرات کے نزدیک تو مرتد اور زندیق دونوں کا ایک ہی حکم ہے' لیکن امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''لا اقبل توبة الزندیق '' (میں زندیق کی توبہ قبول نہیں کروں گا) مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں اگر پتا چل جائے کہ یہ زندیق ہے' اپنے کفر کو اسلام ثابت کرتا ہے اور پکڑا جائے' پھر کہے کہ جی! میں توبہ کرتا ہوں' آئندہ میں ایسی حرکت نہیں کروں گا تو اس کی توبہ کا قبول کرنا' نہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم تو اس پر قانونِ سزا نافذ کریں گے' اس کے وجود کو باقی نہیں رکھیں گے' جیسے زنا کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی' بہرحال اس پر سزا جاری کی جاتی ہے' چاہے آدمی توبہ ہی کرلے' یا جیسا کہ چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی سزا ملتی ہے اور یہ سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی' کوئی شخص چوری کرنے اور پکڑے جانے کے بعد توبہ کرلے' تب بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا' اسی طرح امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''لا اقبل توبة الزندیق '' کہ میں زندیق کی توبہ قبول نہیں کرتا' یعنی زندیق کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوگی' اس پر سزائے موت لازماً جاری کی

جائے گی' خواہ ہزار بار توبہ کرلے اور یہی ایک روایت ہمارے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے۔ لیکن درمختار' شامی اور فقہ کی دوسری کتابوں میں ہے کہ اگر کوئی زندیق ازخود آکر توبہ کرلے' مثلاً: کسی کو پتا نہیں تھا کہ یہ زندیق ہے' اس نے خود ہی اپنے زندقہ کا اظہار کیا اور اس سے توبہ بھی کی' تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی' اسی طرح اگر یہ تو معلوم تھا کہ یہ زندیق ہے' مگر اس کو گرفتار نہیں کیا گیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت دے دی اور وہ اپنے آپ آکر تائب ہوگیا اور اپنے زندقہ سے توبہ کرلی کہ جی! میں مرزائیت سے توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی اور اس پر سزائے ارتداد جاری نہیں کی جائے گی' لیکن اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو توبہ قبول نہیں کی جائے گی' چاہے سو مرتبہ توبہ کرے۔

اسلام کو چھوڑنے والا ہی مرتد کیوں؟

جیسا کہ ارتداد و مرتد کی تعریف کے ذیل میں پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین و مذہب اختیار کرلے' مرتد وہ ہے' اور اس کی سزا قتل ہے۔

اس پر یہود و نصاریٰ' قادیانیوں کے علاوہ دوسرے ملاحدہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر دوسرے مذاہب کے پیروکار اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوسکتے ہیں' تو ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کیوں نہیں کرسکتا؟ اگر کسی یہودی اور عیسائی کے مسلمان ہونے پر قتل کی سزا لاگو نہیں ہوتی تو ایک مسلمان کے یہودیت یا عیسائیت قبول کرنے پر اسے کیوں واجب القتل قرار دیا جاتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی ہندو یا قادیانی' مسلمان ہوسکتا ہے تو ایک مسلمان نعوذ باللہ! قادیانی یا ہندو کیوں نہیں بن سکتا؟

عام طور پر ارباب کفر و شرک اس سوال کو اس رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادا مسلمان نہ صرف اس سے متاثر ہوتا ہے' بلکہ سزائے ارتداد کو نعوذ باللہ! غیر معقول و غیر منطقی اور آزادی اظہار رائے و آزادی مذہب کے خلاف سمجھنے لگتا ہے۔

اس لئے ضرورت ہے کہ اس مغالطہ کے جواب کے سلسلہ میں بھی چند معروضات

پیش کردی جائیں:

الف:...... جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہودی، عیسائی یا دوسرے مذاہب کے لوگ اپنا مذہب بدلیں تو ان پر سزائے ارتداد کیوں جاری نہیں کی جاتی؟ اصولی طور پر ہم اس سوال کا جواب دینے کے مکلف نہیں ہیں، بلکہ ان مذاہب کے ذمہ داروں، بلکہ ٹھیکے داروں کا فرض ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔

تاہم قطع نظر اس کے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ طرزِ عمل صحیح ہے یا غلط؟ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ دنیائے عیسائیت و یہودیت اگر اپنے مذہب کے معاملہ میں تنگ نظر نہ ہوتی تو آج دنیا بھر کے مسلمان اور امت مسلمہ ان کے ظلم وتشدد کا نشانہ کیوں ہوتے؟

اس سے ذرا اور آگے بڑھیئے تو اندازہ ہوگا کہ انبیائے بنی اسرائیل کا قتلِ ناحق ان کی اسی تنگ نظری کا شاخسانہ اور تشدد پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ بتلایا جائے کہ حضرات انبیائے کرامؑ کا اس کے علاوہ کون سا جرم تھا؟ صرف یہی ناں کہ وہ فرماتے تھے کہ پہلا دین وشریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے ذریعے نیا دین اور نئی شریعت آئی ہے اور اسی میں انسانیت کی نجات اور فوز وفلاح ہے۔

اسی طرح یہودیوں اور عیسائیوں پر فرض ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت زکریا علیہما السلام کو کیوں قتل کیا گیا؟ ان معصوموں کا کیا جرم تھا؟ اور کس جرم کی پاداش میں ان کا پاک وپاکیزہ اور مقدس لہو بہایا گیا؟

اس کے علاوہ یہ بھی بتلایا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ کے قتل اور ان کے سولی پر چڑھائے جانے کے منصوبے کیوں بنائے گئے؟

مسلمانوں کو تنگ نظر اور سزائے ارتداد کو ظلم کہنے والے پہلے ذرا اپنے دامن سے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور لاکھوں مسلمانوں کے خونِ ناحق کے دھبے صاف کریں اور پھر مسلمانوں سے بات کریں۔

ب:...... یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت وراہ نمائی کے لئے حضراتِ انبیائے کرامؑ اور رسلؑ بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا، جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو اس کی انتہا یا تکمیل واختتام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات پر ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے دین وشریعت اور کتب کی کیفیت یکساں تھی یا مختلف؟

اگر بالفرض تمام انبیائے کرام کی شریعتیں ابدی وسرمدی تھیں تو ایک نبی کے بعد دوسرے نبی اور ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

مثلاً اگر حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ابدی وسرمدی تھی اور اس پر عمل نجاتِ آخرت کا ذریعہ تھا تو اس وقت سے لے کر آج تک تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کا تابع ہونا چاہئے تھا، اگر ایسا ہے تو پھر یہودیت وعیسائیت کہاں سے آگئی؟

لیکن اگر بعد میں آنے والے دین، شریعت، کتاب اور نبی کی تشریف آوری سے پہلے نبی کی شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی تھی...... جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے...... تو دوسرے نبی کی شریعت اور کتاب کے آجانے کے بعد سابقہ شریعت اور نبی کی اتباع پر اصرار وتکرار کیوں کیا جاتا ہے؟

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب دوسرا نبی، شریعت اور کتاب آگئی اور پہلا دین، شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی، تو اس منسوخ شدہ دین، شریعت، کتاب اور نبی کے احکام پر عمل کرنا یا اس پر اصرار کرنا خود بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی ملک کے قانون میں ترمیم کردی جائے یا اس کو سرے سے منسوخ کردیا جائے اور اس کی جگہ دوسرا جدید آئین وقانون نافذ کردیا جائے، اب اگر کوئی عقل منداس نئے آئین وقانون کی بجائے منسوخ شدہ دستور وقانون پر عمل کرتے ہوئے نئے قانون کی مخالفت کرے، تو اسے قانون شکن کہا جائے گا یا قانون کا محافظ وپاسبان؟

لہٰذا اگر کسی ملک کا سربراہ ایسے عقل مند کو رائج ونافذ جدید آئین وقانون کی مخالفت اور اس سے بغاوت کی پاداش میں باغی قرار دے کر اُسے بغاوت کی سزا دے، تو اس کا یہ فعل ظلم وتعدی ہوگا یا عدل وانصاف؟ کیا ایسے موقع پر کسی عقل مند کو یہ کہنے کا جواز ہوگا کہ اگر جدید آئین وقانون کو چھوڑنا بغاوت ہے تو منسوخ شدہ آئین وقانون کو

چھوڑنا کیونکر بغاوت نہیں؟ اگر جدید آئین سے بغاوت کی سزا موت ہے تو قدیم ومنسوخ شدہ آئین کی مخالفت پر سزائے موت کیونکر نہیں؟

ج:...... جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے ادیان اور ان کی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں' اس سلسلہ میں گزشتہ سطور میں عقلی طور پر ثابت کیا جاچکا ہے کہ سابقہ انبیاؑ کی شریعتوں پر عمل باعث نجات نہیں' ورنہ نئے دین' نئی شریعت اور نئے نبی کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟ تاہم سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک نے اپنے بعد آنے والے دین وشریعت اور نبی کی آمد سے متعلق اپنی امت کو بشارت دی ہے اور ان کی اتباع کی تلقین بھی فرمائی ہے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ۔" (آل عمران:۸۱)

ترجمہ:...... "اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت انجیل کے علاوہ خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے کہ:

"ومبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔" (الصف:۶)

ترجمہ:...... "اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد' اس کا نام ہے احمد۔"

چنانچہ سابقہ انبیائے کرامؑ میں سے کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ میری نبوت اور دین و شریعت قیامت تک ہے اور میں قیامت تک کا نبی ہوں' دنیائے یہودیت و عیسائیت کو ہمارا چیلنج ہے کہ اگر کسی نبی نے ایسا فرمایا ہے' تو اس کا ثبوت لاؤ: "قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔" ہمارا دعویٰ ہے کہ صبح قیامت تک کوئی یہودی اور عیسائی اس کا

ثبوت پیش نہیں کرسکے گا' جب کہ اس کے مقابلہ میں آقائے دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی اور خاتم النبیین فرمایا گیا' جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

۱:...... "قل یا ایھا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً۔" (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:...... "تو کہہ: اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔"

۲:...... "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔" (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ:...... "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کرکر جہان کے لوگوں پر۔"

۳:...... "ما کان محمد ابا احد من رجالکم و لکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین۔" (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ:...... "محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے' لیکن رسول ہے اللہ کا اور خاتم النبیین۔"

۴:...... "وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً۔" (سبا:۲۸)

ترجمہ:...... "اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔"

اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:

۱:...... "انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔" (ترمذی ج:۲' ص:۴۵)

ترجمہ:...... "میں خاتم النبیین ہوں' میرے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہیں۔"

۲:...."انا آخر الانبیاء و انتم آخر الامم۔"

(ابن ماجہ، ص: ۲۹۷)

ترجمہ:...."میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔"

۳:...."لو کان موسیٰ حیاً ما وسعه الا اتباعی۔"

(مشکوٰۃ، ص: ۳۰)

ترجمہ:...."اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔"

اب جب کہ قرآن کریم نازل ہو چکا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری نبی ہیں اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے؛ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین و شریعت کا سکہ قیامت تک چلے گا، اس لئے جو شخص اس جدید و رائج قانون اور آئین کی مخالفت کرے گا اور سابقہ منسوخ شدہ دین و شریعت یا کسی خود ساختہ مذہب، جیسے موجودہ دور کے متعدد باطل و بے بنیاد ادیان و مذاہب...... مثلاً: ہندو، پارسی، سکھ، ذکری، زرتشتی اور قادیانی وغیرہ...... کا اتباع کرے گا، وہ باغی کہلائے گا۔ دین و شریعت، قرآن و سنت اور عقل و دیانت کی روشنی میں اس کی سزا وہی ہوگی جو ایک باغی کی ہونی چاہیے، اور وہ قتل ہے۔

اس لئے ارباب اقتدار سے ہماری درخواست ہے کہ وہ پاکستان میں سزائے ارتداد کا قانون جاری و نافذ کر کے ایسے باغیوں کی بغاوت کا سدِ باب کریں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے مستحق قرار پائیں۔

ارکان کی جانب سے سزائے ارتداد کے قانون کی ترتیب اور بل کی حیثیت سے اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے پر، ہم ان کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتے ہیں اور ان کے اس بر وقت اقدام کی بھرپور حمایت و تائید کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے ارکان اسمبلی کو بھی ان کی تائید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری بار تشریف آوری کا انکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کا تذکرہ قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ ہمیں بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں ملتا ہے اور امت کا اس مسئلے پر اجماع ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں اللہ کے رسول ﷺ کے ایک امتی کی حیثیت سے واپس آئیں گے۔ دوسری طرف کتاب مقدس بھی اس بات کی تائید کرتی نظر آتی ہے کہ حضرت عیسیٰ دوبارہ اس دنیا میں آئیں گے لیکن غامدی صاحب اس عقیدے کو ماننے میں اس لیے متامل ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کا قرآن میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی سے متعلقہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں نہ صرف یہ کہ قرآن مجید بالکل خاموش ہے، بلکہ اس سے جو قرائن سامنے آتے ہیں وہ حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے بارے میں کچھ سوالات ضرور ذہن میں پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ قرآن نے جہاں حضرت عیسیٰ کے دنیا سے اٹھا لیے جانے کا تذکرہ کیا ہے وہاں حضرت عیسیٰ کے متبعین کے قیامت تک یہود پر غلبے کی پیشین گوئی بھی کی ہے۔ یہ نہایت موزوں موقع تھا کہ آپ کی آمد ثانی کا تذکرہ کر دیا جاتا اور اس غلبے کی پیشین گوئی بھی کر دی جاتی جس کا ذکر حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کے حوالے سے روایات میں ہوا ہے...... پھر حدیث کی سب سے پہلے مرتب ہونے والی کتاب "موطا امام مالک" میں حضرت مسیح کی آمد ثانی سے متعلق کوئی روایت موجود نہیں۔ یہ چیز بڑی اہمیت کی حامل ہے حضرت عیسیٰ کی آمد اتنا بڑا مسئلہ ہے کہ امام مالک ؒ کا اس سے

عدم تعرض سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک روایت میں البتہ نبی ﷺ کا خواب بیان ہوا ہے جس میں آپ نے حضرت مسیح کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا۔ ہمیں یہ خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہی مضمون بڑھتے بڑھتے حضرت مسیح کی آمد ثانی میں تو نہیں بدل گیا؟ یہ قرائن اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی سے متعلق احادیث کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے اور بطور خاص قرآن کے محولہ بالا مقامات سے سامنے آنے والے عقدے کو حل کیا جائے۔ جب تک اس سوالات کا قابل اطمینان جواب نہیں ملتا اس بات میں کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں۔"

(ماہنامہ اشراق جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۶۰ تا ۶۱، ۲۷۷)

آج جس عقیدے پر امت مسلمہ قائم ہے، غامدی صاحب ابھی تک اس میں سوچ و بچار کر رہے ہیں۔ یہ غامدی صاحب کی دس سال پہلے کی تحریر ہے۔ میرے خیال میں اب تک تو ان کی طرف سے ہاں یا نہیں میں کوئی واضح موقف سامنے آجانا چاہیے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن میں حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے۔ قرآن میں واضح طور پر حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کا تذکرہ موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا (۴/۱۵۷)

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (۴/۱۵۸)

وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا (۴/۱۵۹) ﴾ (النساء)

"اور ان یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی چڑھایا لیکن معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔ اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ بھی البتہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں، ان کے پاس اس معاملے کا کوئی علم نہیں ہے سوائے گمان کی پیروی کے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ رہے گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہی دیں گے۔"

ترجمان القرآن حضرت ابن عباس، امام المفسرین علامہ ابن جریر طبری، امام المتکلمین امام رازی، امام فقہائے مفسرین علامہ قرطبی اور امام اللغۃ علامہ زمخشری کے نزدیک اس آیت میں 'بہ' کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ ہیں جبکہ 'موتہ' کی ضمیر کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے یا 'کتابی' کی طرف بہرحال یہ اختلاف تنوع کا اختلاف ہے۔ 'موتہ' کی ضمیر جس طرف بھی لوٹائی جائے اس آیت سے حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں پتا چلتا ہے۔ قرآن اللہ کے رسول پر نازل ہوا اور قرآن فعل مضارع میں لام تاکید بانون ثقیلہ کے ساتھ اس بات کی خبر دے رہا ہے کہ ہر کتابی حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے یا اپنی وفات سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے کر آئے گا اور ہر کتابی کا مستقبل میں حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ حضرت عیسیٰ اس دنیا میں دوبارہ تشریف نہ لے آئیں۔

غامدی صاحب نے جس طرح مسئلہ موسیقی میں قرآن میں موجود اپنے موہومہ اشارات کو بنیاد بنا کر کتاب مقدس کی آیات کی صحت کی تصدیق کی اور ان سے موسیقی کے جواز پر استدلال کیا کاش کہ وہ قرآن سے حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں واضح بیان کو واضح نہ سہی کم از کم اشارات کا درجہ تو دے دیتے۔

غامدی صاحب سے ہمارا سوال

غامدی صاحب سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر قرآن کے اشارات سے کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق ہو سکتی ہے تو قرآن میں تو حضرت عیسیٰ کی آمد کے بارے میں ان اشارات سے بہت قوی اشارات موجود ہیں جو کہ غامدی صاحب مسئلہ موسیقی کے جواز کے حق میں قرآن سے پیش کرتے ہیں؟ غامدی صاحب سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر قرآن کے بیان سے کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق ہو جاتی ہے تو کیا صاحب قرآن کے بیان سے کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق نہیں ہوتی؟ اگر صاحب قرآن کے فرامین سے بھی کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق ہوتی ہے تو غامدی صاحب کو چاہئے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں روایات کو بنیاد بنا کر وہ کتاب مقدس کی ان آیات کی تصدیق کریں جو حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی کے بارے میں ہیں اور کتاب الٰہی سے حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کو ثابت کریں۔ اگر ان کے نزدیک صاحب قرآن کے فرامین سے کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق نہیں ہوتی تو انہیں اپنے اس اصول کے بارے میں کوئی شرعی دلیل پیش کرنی چاہئے کہ قرآن کے بیان سے تو کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ محفوظ ہیں اور کلام الٰہی ہیں اور صاحب قرآن کے فرامین سے کتاب مقدس کی آیات کی تصدیق نہیں ہوتی۔

عقیدہ حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام

عصر حاضر کے منکرین حدیث اور تجدد پسند لوگ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی حیات، ان کے رفع الی السماء اور ان کے نزول سے انکاری ہیں اور اس مسئلہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی ہم نوائی کرتے ہیں جیسا کہ مودودی صاحب اور غامدی صاحب کا عقیدہ ہے کہ اس مسئلہ کے لئے وضاحت امام اہل سنت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمان اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ لکھتے ہیں کہ

(۱) احادیث صحیحہ کے ذخیرہ سے یہ امر بالکل واضح اور آشکارا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین حق وصداقت کی آواز سے کبھی خالی نہ رہے گی تاوقتیکہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر تمام ادیان و مذاہب باطلہ کو باذن اللہ مٹا کر صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب کا سنہری پرچم نہ لہرائیں۔ جس کا نام اسلام ہے۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" (تبلیغ اسلام، ص ۲۹)

(۲) علامہ محمد طاہر الحنفی (مجمع البحار، ج ۱، ص ۲۸۶) میں اور علامہ ابوحیان اندلسی بحوالہ ام عطیہ (تفسیر بحر محیط، ج ۲، ص ۴۷۳ میں) فرماتے ہیں کہ اُمت کا متواتر احادیث کے پیش نظر اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قرب قیامت میں نازل ہوں گے اور سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (الحاوی للفتاوی، ص ۱۶۶ میں) فرماتے ہیں کہ اس کا انکار کفر ہے"۔ (چراغ کی روشنی، ص ۹، حاشیہ)

(۳) علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (اکفار الملحدین، ص ۸) میں فرماتے ہیں کہ بلاشبہ تواتر سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے سو اس کی تاویل اور تحریف بھی کفر ہے"

(مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ، ص ۳۱)

مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کے تین اصول

(۱) حضرت محمد رسول ﷺ کی ختم نبوت کا انکار اور ختم نبوت کے مسلمہ معنی میں بے جا تاویل اور اپنی مصنوعی وخود ساختہ نبوت کے لئے چور دروازہ کی گنجائش۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کے نزول کا انکار اور اس کی دور دراز کار اور لایعنی تاویلات۔

(۳) **حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی توہین۔** یہ تین اصول ہیں جن کی وجہ سے علمائے امت نے مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پیروکاروں کی تکفیر کی ہے''۔

(مرزائی کا جنازہ اور مسلمان، ص ۶)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحت وتندرستی کے آخری ایام میں ''توضیح المرام فی نزول عیسیٰ علیہ السلام'' کے نام سے ایک مستقل اور مدلل رسالہ بھی تالیف فرمایا جس کے انتساب میں فرماتے ہیں کہ۔

''اگر راقم اثیم زندہ رہا تو ان شاء اللہ العزیز یہ حقیر ساتحفہ (توضیح المرام) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرے گا اور سعادت حاصل کرے گا اور اگر ان کی آمد سے پہلے ہی اس حقیر کی وفات ہوگئی تو راقم اثیم کے اپنے متعلقین میں سے کوئی نیک بخت یہ تالیف حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کردے اور ساتھ ہی راقم اثیم کا نام لے کر عاجزانہ اور عقیدت مندانہ سلام مسنون بھی عرض کردے۔ البقاء للہ تعالیٰ وحدہ۔ (توضیح المرام، ص ۷)

غامدی صاحب کا سنت کے بارے میں نظریہ

غامدی صاحب جس طرح کتاب اللہ اور قرآن میں فرق کرتے ہیں اسی طرح وہ سنت اور حدیث میں بھی فرق کرتے ہیں۔ اپنی کتاب اصول ومبادی میں سنت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپ کے لیے اس طرح بیان ہوا ہے: ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (۱۶/۱۲۳) ''پھر ہم نے تمہیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔'' اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے وہ یہ ہے: (۱) اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (۲) ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (۳) چھینک آنے پر الحمد للہ اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ (۴) نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔ (۵) مونچھیں پست رکھنا (۶) زیر ناف کے بال مونڈنا (۷) بغل کے بال صاف کرنا (۸) لڑکوں کا ختنہ کرنا (۹) بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا (۱۰) ناک منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (۱۱) استنجا۔ (۱۲) حیض ونفاس میں زن وشو کے تعلق سے اجتناب۔ (۱۳) حیض ونفاس کے بعد غسل۔ (۱۴) غسل جنابت۔ (۱۵) میت کا غسل۔ (۱۶) تجہیز وتکفین۔ (۱۷) تدفین۔ (۱۸) عید الفطر۔ (۱۹) عید الاضحیٰ۔ (۲۰) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تزکیہ۔ (۲۱) نکاح وطلاق اور ان

کے متعلقات۔ (۲۲) زکوۃ اور اس کے متعلقات۔ (۲۳) نماز اور اس کے متعلقات۔ (۲۴) روزہ اور صدقۂ فطر۔ (۲۵) اعتکاف۔ (۲۶) قربانی۔ (۲۷) حدوعمرہ اوران کے متعلقات۔ سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث ونزاع کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دین لاریب انہی دوصورتوں میں ہے (یعنی قرآن اور سنت) ان کے علاوہ کوئی چیز نہ دین ہے اور نہ اسے دین قرار دیا جاسکتا ہے۔"

(میزان، جاوید احمد غامدی، ص۱۰)

حجیت سنت

عصر حاضر کے جدت پسندوں نے اول تو سرے سے حجیت سنت کا ہی انکار کردیا اور بعض نے سنت کی جدید تعیین کرکے اس کے دائرہ کو محدود کردیا۔ حضرت شیخ حجیت سنت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"قرآن کریم، حدیث شریف اور امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر رسول اور نبی اپنی امت کے لئے نمونہ اور اسوہ ہوتا ہے اور اسی کا قول وفعل (جو لغزش اور تخصیص کی مد میں نہ ہو) تمام امتیوں کے لئے لازم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت و اتباع کے بغیر نہ تو تقرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور نہ نجات اخروی ہی نصیب ہوتی ہے۔ وہ مطاع اور مقتدیٰ ہو کر آتا ہے اور امت مطیع ومقتدی کہلاتی ہے"۔

(از امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ، انکار حدیث کے نتائج ص۳۴)

حجیت حدیث

عصر حاضر کے منکرین حدیث نے جب حجیت حدیث کا انکار کیا اور یہ دعویٰ کردیا کہ حدیث یقینی چیز نہیں، ظنی ہے اور کوئی ظن دین قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (جیسا کہ مرزا قادیانی اور مودودی صاحب اور غامدی صاحب کے نظریات ہیں) حدیث کی حیثیت تاریخ کی سی ہے اور تاریخ تنقید سے بالاتر نہیں ہوتی تو حضرت شیخ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کا خوب رد فرمایا اور بڑے مدلل انداز میں حجیت حدیث کا اثبات فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

"اہل اسلام کے کسی فقہی مکتب فکر کے نزدیک حدیث شریف کی بنیاد دین اور مدار اسلام ہونے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ الغرض اجماع امت سے بھی حجیت حدیث ثابت ہے"۔ (احسان الباری، ص۲۱)

"تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، اتباع تابعین نے پوری محنت اور مشقت خالص دینی جذبہ اور ولولہ کامل خلوص وللہیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو اپنے سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھا ہے اور بے حد جرات وبہادری سے انہوں نے یہ امانت عظمیٰ امت مرحومہ تک پہنچائی ہے۔

(انکار حدیث کے نتائج، ص۱۴۸)

داڑھی کی شرعی حیثیت

داڑھی کے سنت رسول ﷺ ہونے میں بھی کبھی کسی مسلمان کو شبہ نہیں رہا۔ ہر زمانہ کے مسلمانوں نے اسے سنت رسول ﷺ کی حیثیت سے اپنایا۔ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بوادر النوادر ص ۲۲، ۲۳ کے حوالہ سے حضرت شیخ الحدیث امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے حوالہ سے مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ

''اجماع امت یہ ہے کہ ایک قبضہ سے داڑھی کم کرنا حرام ہے''۔

(حلیۃ المسلمین، ص ۵)

مزید وضاحت کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور اتباع تابعین کے دور میں قبضہ (مٹھی بھر) سے کم داڑھی کا کوئی ثبوت نہیں اور خلافت راشدہ میں بھی اس کی کوئی مثال موجود نہیں۔ اس مبارک دور میں تمام مسلمان از شرق تا غرب، از شمال تا جنوب جہاں بھی موجود تھے۔ داڑھی کی پابندی کرتے تھے۔ البتہ یہود و مجوس اور نصاریٰ و بد باطن فرقوں کی بات جدا ہے۔ لیکن جس زمانہ میں خلافت راشدہ نہ تھی اور اسلام کے احکام بھی من وعن نافذ نہ تھے۔ اس زمانہ میں بھی بے ریش کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور حسب مقدرت اس کو سزا دی جاتی تھی۔ تاکہ دیکھنے والوں کو یہ عبرت ہو۔ چنانچہ مشہور مورخ و مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیر الشافعی لکھتے ہیں کہ

۱۷۶ھ میں دمشق میں (ملنگوں کے) قلندریہ فرقہ کے کچھ لوگوں نے داڑھیاں منڈوادیں تو اس وقت کے بادشاہ سلطان حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ ان کو ملک بدر کر دیا جائے اور اس وقت تک ان کو اسلامی شہروں میں داخل نہ ہونے دیا جائے جب تک کہ وہ کافرانہ شعار سے توبہ نہ کرلیں۔ حافظ موصوف (البدایہ والنہایہ، ج ۱۴، ص ۲۷۴ میں) لکھتے ہیں کہ یہ فعل باجماع امت حرام ہے''۔

مشہور فقیہ حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح القدیر، ج ۲، ص ۷۷ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

''داڑھی ترشوانا جب کہ ایک مٹھی سے کم ہو جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث قسم کے مردوں کا فعل ہے تو اس کو کسی نے بھی مباح قرار نہیں دیا اور سب ڈاڑھی کا منڈوانا تو ہندوستان کے ہندوؤں اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ (ایضاً ص ۵)

''ان تصریحات کی موجودگی میں داڑھی منڈوانے اور مٹھی سے کم ترشوانے کے حرام اور گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے؟ ایک طرف یہ ٹھوس حوالے ملاحظہ کریں اور دوسری طرف مودودی صاحب اور غامدی صاحب کا یہ خالص اختراعی نظریہ ملاحظہ فرمائیں۔''

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ...... ''آپ کا خیال کہ نبی ﷺ جتنی بڑی داڑھی رکھتے تھے۔ اتنی بڑی داڑھی رکھنی سنت رسول ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ ہے۔ یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ عادات رسول بعینہ وہ سنت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم رکھنے کے لئے نبی ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام مبعوث کئے جاتے رہے۔ مگر میرے نزدیک صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں بلکہ یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت

قرار دینا اور پھر ان کی اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے"۔ (رسائل ومسائل، ص ۲۰۸) مودودی صاحب کی بے باکی اور جرات ملاحظہ کیجئے کہ داڑھی جیسی سنت صحیحہ کی اتباع اور پیروی کرنے کو سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین کہتے ہیں"۔ (ایضاً، ص ۶)

مودودی صاحب داڑھی کی سنت کو بدعت اور تحریف دین قرار دیتے ہیں

مودودی صاحب داڑھی کی سنت کو بدعت اور تحریف دین قرار دینے کے باوجود خود داڑھی سے آراستہ تھے۔ لیکن اس وقت بعض (غامدی صاحب جیسے) ایسے جدت پسند بھی ان کے ہمنوا ہیں۔ جن کے چہرے اس زینت سے محروم ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے تو یہ فیصلہ اپنے فکر کو سامنے رکھتے ہوئے کیا ہے۔ لیکن دوسرے جدت پسند یہ فیصلہ اپنی شخصیت اور صورت کو سامنے رکھ کر رہے ہیں کہ کون سی چیز سنت ہے اور کون سی سنت نہیں۔ جو چیز ان کی شخصیت میں موجود ہو، وہ سنت ہے اور جو چیز ان کی شخصیت میں شامل وداخل نہیں، وہ سنت بھی نہیں۔

داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں غامدی صاحب کا نظریہ

ان کے نزدیک داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں، ان سے جب یہ سوال کیا گیا کہ:

"میں نے کچھ عرصہ پہلے داڑھی رکھی مگر میری امی اور سب گھر والوں کو پسند نہ آئی کیونکہ بال ٹھیک طرح سے نہ آئے تھے۔ اب امی بار بار مجھے داڑھی کٹوانے کا کہتی ہے، کیا میں اسے کٹوا سکتا ہوں؟ جواب سے ضرور مطلع فرمائیں۔"

تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا:

"عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا، لہٰذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں ہے" (ایضا)۔

یہاں کہا گیا ہے کہ داڑھی کا حکم دین میں کہیں نہیں، سوال یہ ہے کہ دین کیا ہے؟

سنت کے ذریعے جو دین ہمیں ملا ہے، اس کے حوالے سے غامدی صاحب نے ستائیس امور کا ذکر کیا ہے، لیکن داڑھی ان میں شامل نہیں، حالانکہ احادیث صحیحہ کی رو سے ایک مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ...... مسلم کتاب الطہارۃ

"دس خصلتیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کٹوانا، داڑھی بڑھانا......"

فتح الباری میں فطرت کے مفہوم کے حوالے سے اہل علم کی کئی آراء ذکر کی گئی

ہیں جو معنی کے لحاظ سے تقریباً متفق ہیں۔ قاضی بیضاوی کے حوالے سے ابن حجر لکھتے ہیں:

وقد ردّ القاضی البیضاوی الفطرة فی حدیث الباب الی مجموع ما ورد فی معناها وهو الاختراع والجبلة والدین والسنة فقال: هی السنة القدیمة التی اختارها الانبیاء واتفقت علیها الشرائع و کانها امر جبلی فطروا علیها (فتح الباری، ج ۲، ص ۶۱۴)

”قاضی بیضاوی نے مذکورہ حدیث میں لفظ فطرت کو اس مفہوم کی روایات کے مجموعے کی طرف لوٹایا ہے اور وہ ہے اختراع، جبلت، دین، اور سنت۔ چنانچہ فرمایا کہ یہ (فطرت) وہ سنت قدیمہ ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور تمام شریعتیں اس پر متفق ہیں۔ گویا یہ ایک جبلی امر ہے جس پر اصلاً لوگوں کی تخلیق ہوئی۔“

یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ داڑھی ’اہل اشراق‘ کی تعریف سنت پر بدرجہ اتم پورا اترتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سنت:

”دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔“ (میزان، ص ۱۰)

اب دیکھئے یہاں تو صرف دین ابراہیمی کا ذکر کیا گیا جبکہ اوپر قاضی بیضاوی کے حوالے سے ذکر کیا گیا کہ فطرت سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر تمام انبیاء اور ان کی شرائع کا اتفاق رہا ہے۔ سنت کے حوالے سے غامدی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہمیں قرآن کی طرح امت کے اجماع سے ملی ہے۔

اس سلسلے میں گزارش ہے یہ کہ داڑھی کے بارے میں ابن حزم ”مراتب الاجماع“ میں لکھتے ہیں:

واتفقوا ان حلق جمیع اللحیة مثلة لا تجوز

(مراتب الاجماع ابن حزم، ص ۱۵۷)

”امت کے سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ داڑھی مونڈنا مثلا (عیب دار کرنا) ہے اور یہ جائز نہیں۔“

اسی طرح ’موسوعة الاجماع‘ میں ’حلق اللحیة‘ کے عنوان کے تحت یہی عبارت موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مونڈنا جائز نہیں تو رکھنا ضروری ہوا۔

یہ امر باعث تعجب اور فہم سے بالاتر ہے کہ سنت کی شرائط (جو خود غامدی صاحب نے ذکر کی ہیں) پر پورا اترنے کے باوجود داڑھی کو آخر کس حکمت و مصلحت کے پیش نظر سنت سے خارج کردیا گیا ہے؟

غامدی صاحب داڑھی کو سنت میں شمار نہیں کرتے

جیسا کہ ان کی بیان کردہ سنن کی فہرست سے واضح ہوتا ہے حالانکہ داڑھی حضرت ابراہیم سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء کی سنت رہی۔ دور جاہلیت میں اہل عرب داڑھی رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے بھی داڑھی رکھی، اس کا حکم بھی دیا اور تمام صحابہؓ کی داڑھی تھی۔ داڑھی کی سنت غامدی صاحب کی تعریف کے مصداق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سنت رہی ہے۔ یہ دین ابراہیم کی وہ روایت ہے کہ جس پر دور جاہلیت میں بھی اکثر اہل عرب قائم تھے اور آپ ﷺ نے دین ابراہیمی کی اس روایت کو عملاً برقرار رکھا اور اس کا امت کو حکم بھی جاری فرمایا۔ بعد میں یہ

سنت صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہوئی اور امت کے تواتر سے ہم تک منتقل ہوئی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے:

خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَاَحْفُوْا الشَّوَارِبَ.

(بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب)

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو چھوڑ دو (بڑھنے دو) اور مونچھوں کو پست کرو۔''

ابن حجر عسقلانی 'خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ' کی شرح میں لکھتے ہیں:

فی حدیث أبی هریرة عند مسلم خالفوا المجوس وهوا المراد فی حدیث ابن عمر فانهم کانوا یقصون لحاهم ومنهم من کان یلحقها.

''حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جو مسلم میں ہے اسے میں 'خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ' کی جگہ 'خَالِفُوْا الْمَجُوْسَ' کے الفاظ ہیں اور اس حدیث میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ مجوسیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنی داڑھیاں کاٹتے تھے اور ان میں سے بعض اپنی داڑھیاں مونڈتے تھے۔''

ابن حجر کی اس تشریح اور تاریخ وسیر کی کتب سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مشرکین مکہ بھی اپنی داڑھیوں کو چھوڑتے تھے۔
مسلم کی روایت میں الفاظ ہیں:

جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحٰى خَالِفُوْا الْمَجُوْسَ

(مسلم کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ)

''مونچھوں کو پست کرو اور داڑھی کو چھوڑ دو، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

اللہ کے رسول ﷺ کے ان فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دینِ ابراہیمی کی اس روایت کو بطور دین اس امت میں جاری کیا اور داڑھی منڈانے کو

مجوسیوں کی تہذیب قرار دیا۔

دجال کا انکار

غامدی صاحب کے نزدیک دجال ایک شخص نہیں ہے بلکہ صفت ہے اور یاجوج ماجوج ہی اصل میں دجال ہے۔ دجال سے متعلقہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج ہی کے خروج کو دجال کے خروج سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج ماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پر مبنی، فکر وفلسفہ کی علمبردار ہیں اور اسی سبب سے نبی ﷺ نے انہیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا۔''

غامدی صاحب نے دجال کے شخص ہونے کا انکار کیا حالانکہ دجال کا ایک شخص ہونا اور حضرت عیسیٰؑ کا اس کو ہلاک کرنا واضح طور پر احادیث اور کتاب مقدس میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی جیسے کہ وہ اس کے لائق ہے، پھر آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا:

اِنِّیْ اُنْذِرُکُمُوْہُ وَمَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَہٗ قَوْمَہٗ لَقَدْ اَنْذَرَہٗ نُوْحٌ قَوْمَہٗ وَلٰکِنْ سَاَقُوْلُ لَکُمْ فِیْہِ قَوْلًا لَمْ یَقُلْ نَبِیٌّ لِقَوْمِہٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِاَعْوَرَ (بخاری کتاب الجہاد)

''میں تمہیں اس (دجال) سے ڈراتا ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس

نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔ یقیناً حضرت نوح نے بھی اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا تھا لیکن میں تمہیں دجال کے بارے میں ایک ایسی بات بتا رہا ہوں جو کہ کسی بھی نبی نے اس سے پہلے اپنی قوم کو نہیں بتائی، تم جان لو کہ دجال کانا ہے اور (معاذ اللہ) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کانا نہیں ہے۔''

حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا اور حضرت عیسیٰ بھی اس میں شامل ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں الفاظ ہیں کہ حضرت مجمع بن جاریہؓ بیان فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَقْتُلُ ابْنُ مَرْيَمَ الدَّجَّالَ بِبَابِ لُدٍّ
(ترمذی، کتاب الفتن)

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم دجال کو مقام لُدّ پر قتل کریں گے۔''

یہ حدیث بھی اس بیان کی تصدیق کر رہی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم دجال کو قتل کریں گے۔ احادیث مبارکہ سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دجال ایک شخص معین کا نام ہے جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں ایک دن دجال کے بارے میں ایک لمبی حدیث بیان فرمائی۔ اس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ دجال ایک دن مدینہ کا رخ کرے گا لیکن اس کے لیے شہر مدینہ میں داخلہ ممکن نہ ہوگا اور وہ مدینہ کے باہر قیام کرے گا تو ایک دن اہل مدینہ سے ایک انتہائی نیک آدمی اس کے پاس آئے گا اور وہ آدمی دجال سے کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو دجال ہے، تو

اس وقت دجال لوگوں سے کہے گا:

أَرَأَيْتُمْ إِنْ قَتَلْتُ هٰذَا ثُمَّ أَحْيَيْتُهُ أَتَشُكُّوْنَ فِي الْأَمْرِ فَيَقُوْلُوْنَ لَا فَيَقْتُلُهُ فَيَقُوْلُ حِيْنَ يُحْيِيْهِ وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ فِيْكَ قَطُّ أَشَدَّ بَصِيْرَةً مِنِّي الْآنَ قَالَ فَيُرِيْدُ الدَّجَّالُ أَنْ يَقْتُلَهُ فَلَا يُسَلَّطُ عَلَيْهِ (مسلم کتاب الفتن)

بھلا تم دیکھو اگر میں اس شخص کو قتل کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دوں تو کیا تم پھر بھی میرے بارے میں شک کرو گے؟ تو وہ لوگ کہیں گے نہیں، تو اس وقت دجال اس نیک آدمی کو قتل کر دے گا اور جب دجال اس نیک آدمی کو دوبارہ زندہ کرے گا تو وہ نیک آدمی اس سے کہے گا: اللہ کی قسم! اب تو مجھے تیرے بارے میں حد درجے یقین ہو گیا ہے کہ تو وہی مسیح الدجال ہے۔ پس دجال اس آدمی کو دوبارہ قتل کرنا چاہے گا لیکن کامیاب نہ ہوگا۔''

یہی وجہ ہے امت مسلمہ کے علاوہ عیسائی دنیا بھی جس دجال کو اپنی کتابوں کے حوالے سے جانتی ہے وہ ایک معین شخص ہے نہ کہ صفت، یا یاجوج ماجوج، یا امریکہ۔ میرے خیال میں صاحب قرآن کی اس تصدیق کے بعد غامدی صاحب کو شخص دجال کی آمد کا اقرار کر لینا چاہیے۔

خلاصۂ کلام

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت اور قرآن مجید کے نزول کے بعد امت مسلمہ کے لیے اصل ماخذ و مصادر قرآن و سنت ہی ہیں۔ سابقہ کتب سماویہ اپنے اپنے ادوار میں اپنی قوموں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ تھیں۔ کتاب مقدس قانون سازی میں ہمارے لیے ماخذ مصدر کی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاں اس حد تک کہنا ٹھیک ہے کہ (حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ) جیسی تعلیمات کے مصداق

کے طور پر قوم بنی اسرائیل سے متعلقہ قرآنی واقعات اخبار وقصص کی تکمیل کے لیے ہم کتاب مقدس کی عبارات سے استفادہ کرسکتے ہیں لیکن کسی قرآنی واقعے کی تکمیل کے لیے کتاب مقدس سے کیے جانے والے اس استفادے کی بنا پر کوئی حتمی رائے قائم کرلینا (لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ) کے منافی ہے۔ جہاں تک احکام میں کتاب مقدس سے استدلال کرنے کا معاملہ ہے تو اس کی کوئی دلیل نقل وعقل نہیں ملتی۔

یاجوج وماجوج مغربی اقوام ہیں

نبی کریم ﷺ نے قرب قیامت کے حوالے سے کئی پیشین گوئیاں فرمائی ہیں جنہیں آئمہ محدثین نے ''اشراط الساعۃ'' کے عنوان سے کتب احادیث میں روایت کیا ہے۔ انہی میں سے ایک اہم پیشین گوئی دجال سے متعلق بھی ہے۔ آپ ﷺ نے اسے ایک عظیم آزمائش (فتنہ) قرار دیا ہے۔ اس فتنہ کی سنگینی وشدت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ باقاعدہ اس سے اللہ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے اور اسی کی تعلیم امت کو بھی دی۔

اس عظیم فتنے کے حوالے سے اہل اسلام کا اتفاقی نقطۂ نظر اور عقیدہ یہ ہے کہ وہ دجال ایک شخص معین ہے، جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ موسوعۃ الاجماع میں ہے:

مذهب اهل الحق صحة وجود الدجال وانه شخص بعينه ابتلى الله به عباده (موسوعۃ الاجماع، ج۱، ص۳۸۹)

''اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ دجال کا وجود برحق ہے اور وہ ایک شخص معین ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو آزمائے گا۔''

اس کے بعد احادیث سے ثابت شدہ اس کی صفات وافعال کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وهذا كله مذهب اهل السنة، وجميع المحدثين والفقهاء والنظار خلافا لمن الن كره وابطل امره من الخوارج والجهمية وبعض ايضاً

''اور (جو کچھ بیان ہوا) یہ سارے کا سارا اہل سنت، تمام محدثین، فقہاء اور متکلمین کا مذہب ہے، ان لوگوں کے برعکس جنہوں نے اس کا انکار کیا اور اس (دجال) کے معاملے کو خوارج، جہمیہ اور بعض معتزلہ نے باطل قرار دیا ہے۔''

یہ تو تھا دجال کے بارے میں اہل حق کا عقیدہ لیکن اہل اشراق اس مسئلہ میں بھی پوری امت سے ہٹ کر خوارج، جہمیہ اور معتزلہ کی ہمنوائی میں دجال کے شخصِ معین ہونے کے انکاری ہیں چنانچہ اس استفسار پر کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد، ظہور مہدی اور دجال کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، 'ماہنامہ اشراق' میں لکھا گیا ہے:

''دجال کا خروج ہمارے نزدیک یاجوج وماجوج کے خروج کا بیان ہے۔ دجال ایک اسم صفت ہے، جس کے معنی بہت بڑے فریب کار کے ہیں۔''

(ماہنامہ اشراق، جنوری ۱۹۹۶، ص ۶۱)

ہمارا نقطۂ نظر

''ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب 'یاجوج وماجوج' ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج وماجوج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پر مبنی فکر وفلسفہ کی علم بردار ہیں اور اسی سبب سے نبی ﷺ نے انہیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی

ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی۔ یہ بھی درحقیقت مغربی اقوام کی انسان کے روحانی پہلو سے پہلوتہی اور صرف مادی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی غالباً مغربی اقوام کے سیاسی عروج ہی کے لیے کنایہ ہے۔" ایضاً

اس اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ دجال کوئی خاص شخص نہیں، بلکہ اس سے مراد یاجوج و ماجوج ہیں اور یاجوج و ماجوج سے مراد مغربی اقوام ہیں۔ گویا یہاں بھی فرقۂ غامدیہ پوری امت سے بالکل مختلف نقطہ نظر رکھتا ہے جس کا سلف و خلف میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ اس اقتباس میں سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کو بھی کنایہ قرار دیا گیا ہے جبکہ امت کا اس کے حقیقتاً مغرب سے طلوع ہونے پر بھی اتفاق ہے۔

اہل کتاب اور ہندوؤں کو کافر ومشرک کہنے سے غامدی صاحب کا انکار

وہ امور جن میں غامدی مکتب فکر نے امت سے بالکل الگ موقف اپنایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی بھی یہودی، عیسائی، ہندو یا دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے فرد کو کافر یا مشرک نہیں کہا جاسکتا۔ کسی سائل نے پوچھا:

"اہل کتاب کو کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ کی آیت ۷۲ میں عیسائیوں کے عقیدہ کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔"

اس کا درج ذیل جواب دیا گیا:

"کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے، پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی، اب ہمارا کام

یہی ہے کہ ہم مختلف گروہوں کے عمل و عقیدہ کی غلطی واضح کریں اور جو لوگ نبی ﷺ کی نبوت کو نہیں مانتے، انہیں بس غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ (ماہنامہ اشراق دسمبر ۲۰۰۰، ص ۵۴، ۵۵)

اسی طرح "کیا ہندو مشرک ہیں؟" کے عنوان کے تحت کہا گیا:

"ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہو، چونکہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنا رکھا ہے، لہٰذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ قرآن کے اس حکم کا اطلاق اس پر کیا جاسکتا ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی بھی یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ کسی بھی فرد کو کافر قرار دے سکے۔ اب ملاحظہ کیجیے کہ اس مسئلے میں علمائے اسلام کی متفقہ رائے کیا ہے۔ 'موسوعۃ الاجماع' میں "من هو الکافر" کے عنوان کے تحت لکھا ہے۔

اتفقوا علی ان من لم یؤمن باللہ تعالیٰ وبرسولہ ﷺ ...... فان من جحد شیئا مما ذکرنا، اوشک فی شیء منه و مات علی ذلک، فانه کافر، مشرک، مخلد فی النار ابدا (موسوعۃ الاجماع، ج۲ ص ۷۶۵)

"علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے گا...... پس جس نے بھی ان میں سے کسی چیز کا انکار کیا یا اس میں شک کیا اور اسی حالت میں مرگیا تو وہ کافر، مشرک اور مخلد فی النار ہوگا۔"

اسی صفحہ پر تسمیۃ اهل الکتاب کفارا' کے عنوان کے تحت یہ عبارت بھی موجود ہے:

"اتفقوا علی تسمیة الیهود والنصاریٰ کفارا" ایضاً

تمام اہل اسلام یہود و نصاریٰ کو کافر کہتے ہیں

اب یہاں اس قسم کی کوئی قید مذکور نہیں کہ کسی کو کافر تو صرف نبی اپنے الہامی علم کی بنیاد پر ہی کہہ سکتا ہے یا کسی کو مشرک قرار دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرک کی حقیقت سے آگاہ ہونے کے بعد اس پر کاربند ہو۔ لہٰذا یہ قیود محض اہل اشراق کی اپنی وضع کردہ ہیں، اہل علم کے ہاں ان کا کوئی وجود نہیں۔

یہ منطق انتہائی عجیب ہے کہ مشرک اپنے شرک کی حقیقت سے واقف ہو ورنہ وہ مشرک نہیں، اس طرح تو کوئی مجرم جرم کے بعد یہ کہہ کر چھوٹ سکتا ہے کہ میں اسے جرم نہیں سمجھتا تو کیا ہم اسے مجرم نہیں کہیں گے؟

یہاں ایک اور پہلو بھی قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ علماء نے تکفیر کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں کئی باطل گروہوں کو کافر قرار بھی دیا ہے۔ جیسے ہمارے ہاں تمام مکاتب فکر کے علماء نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا اور اسے آئینی طور پر بھی تسلیم کیا گیا۔ یاد رہے کہ اس فتوے کو پوری دنیا کے علماء کی تائید حاصل ہے۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ آج بھی یہود و نصاریٰ کو کافر اور ہندوؤں کو مشرک کہا جا سکتا ہے اور یہی تمام اہل اسلام کا اجماعی نقطہ نظر ہے۔

عورت کے لئے دوپٹہ اوڑھنا شرعی حکم نہیں

اسلام دینِ عفت و عصمت ہے اور اس نے خواتین کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے بطور خاص ہدایات دی ہیں۔ گھر میں، گھر سے باہر، محارم کے سامنے اور غیر محرم کے سامنے ایک مسلم خاتون کو کہاں تک اظہارِ زینت کی اجازت ہے، ان تمام امور کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ اسلامی قانونِ معاشرت کی رو سے انتہائی قریبی اعزہ کے علاوہ ایک مسلمان خاتون کے لیے اخفاءِ زینت کی کم از کم حد یہ ہے کہ اس کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ پورا جسم مستور رہے۔ ظاہر ہے اس میں سر پر دوپٹہ اوڑھنا از خود شامل ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کے دلائل اس قدر واضح اور قطعی ہیں کہ تاریخ اسلامی کی چودہ صدیوں تک مسلمان اس مسئلہ میں کسی بھی اختلاف سے ناآشنا رہے اور اہل علم کے مابین اس پر کامل اتفاق رہا۔ ابن حزم الظاہری اپنی کتاب "مراتب الاجماع" میں لکھتے ہیں:

واتفقوا علی ان شعر الحرة وجسمها حاشا وجهها و یدها عورة

(مراتب الاجماع، ص ۵۳)

"اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت کے چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ تمام جسم اور بال ستر ہیں۔"

ملت اسلامیہ کے اس متفقہ موقف کے برعکس "ادارہ المورد" کے سربراہ جناب جاوید احمد غامدی کے نزدیک دوپٹے کا مسئلہ سرے سے شرعی ہی نہیں چنانچہ اس سوال کے جواب میں کہ "دوپٹے کا شرعی حکم کیا ہے؟" جناب غامدی فرماتے

ہیں:

"دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔"

دوپٹہ کے شرعی حکم ہونے کے تفصیلی دلائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہماری گزارش صرف اتنی ہے کہ اس مسئلے پر اجماع ہے اور اجماع اسی مسئلے پر ہوتا ہے جو شرعی ہو۔ اصولِ فقہ کی مشہور و معروف اور متداول کتاب "الوجیز فی اصول الفقہ" کے مصنف ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے علامہ آمدیؒ کے حوالے سے اجماع کی درج ذیل تعریف کی ہے:

الاجماع هو اتفاق المجتهدين من الامة الاسلامية في عصر من العصور، على حكم شرعي بعد وفاة النبي ﷺ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کے سر کے بال اس کے ستر میں داخل ہیں۔ اور تواترِ عملی سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ عورتیں ہمیشہ سے ایک بڑی چادر لے کر گھر سے باہر نکلتی ہیں جس سے اپنے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہیں لیکن غامدی صاحب عورت کے ہاتھ، پاؤں اور چہرے کے ساتھ ساتھ سر کے بالوں کو بھی ستر شمار نہیں کرتے۔ ڈوپٹے سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دوپٹا ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔ البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہیے۔ اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب و زینت کی نمائش ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے۔ اس کے لیے دوپٹا ہی ضروری نہیں ہے۔" (ماہنامہ اشراق مئی ۲۰۰۲ء ص ۴۷)

غامدی صاحب کس سادگی سے کہہ رہے ہیں کہ ڈوپٹے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم جاری نہیں کیا! سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ. حالانکہ دوپٹا تو سنت کی اس تعریف سے بھی ثابت ہوتا ہے جو کہ غامدی صاحب نے اختراع کی ہے۔ عورت کے ہاتھ، پاؤں اور چہرے کے بارے میں تو علماء کا جزوی اختلاف ہے کہ یہ عورت کے ستر میں داخل ہیں یا نہیں، لیکن عورت کے سر کے بالوں کے بارے میں امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ یہ عورت کا ستر ہیں اور عورت کے لیے ان کو چھپانا لازم ہے۔ علاوہ ازیں امتِ مسلمہ میں تواترِ عملی سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان عورتیں، صحابیات کے زمانے سے لے کر آج تک، جب بھی کسی کام سے گھر سے باہر نکلتی ہیں تو ایک بڑی چادر لے کر باہر نکلتی ہیں جس سے اپنے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہیں۔ اس تواترِ عملی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں:

لسنا نقول ان وجه الرجل في حقها عورة كوجه المرأة بل هو كوجه الأمرد في حق الرجل فيحرم النظر عند خوف الفتنة فقط وان لم تكن فتنة فلا، اذ لم تزل الرجال على ممر الزمان، مكشوفي الوجوه والنساء يخرجن منتقبات فلو استوو الأمر الرجال بالتنقب أو منعن من الخروج

(احیاء العلوم، کتاب النکاح، باب آداب المعاشرہ)

"ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے ستر ہے، بلکہ مرد کا چہرہ (عورت کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا کہ بے ریش بچے کا چہرہ مرد کے لیے ہے۔ یعنی اگر فتنے کا اندیشہ ہوگا تو اس (مرد) کی طرف دیکھنا حرام ہوگا اور اگر فتنہ نہ ہو تو پھر اس (مرد) کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ مرد ہر زمانے میں کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلتے ہیں، جبکہ عورتیں نقاب پہن کر باہر نکلتی ہیں، اگر مرد بھی اس مسئلے میں عورتوں کے برابر ہوتے تو ان کو نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا یا عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کر دیا جاتا۔"

اسی تواترِ عملی کو علامہ ابو حیان اندلسی نے 'البحر المحیط' میں ابن حجر عسقلانی نے 'فتح الباری' میں اور علامہ شوکانی نے 'نیل الاوطار' میں نقل کیا ہے۔ یہاں امام غزالی عورت کے بال تو چھوڑیے، نقاب یعنی چہرے کے پردے کے بارے میں، اپنے زمانے کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ وہ تواترِ عملی سے ثابت ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عورت کے بال بھی ستر میں داخل ہیں۔ اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے اور صحابیات کے زمانے سے لے کر آج کل کے بگڑے ہوئے اور بے عمل مسلمان معاشروں میں بھی یہ دوپٹا تواترِ عملی سے ثابت ہے۔ تہذیب کا مسئلہ آج کل کا مسئلہ تو ہو سکتا ہے لیکن آج سے چودہ صدیاں پہلے مروجہ معنوں میں تہذیب کا کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا۔ اس وقت میں صحابیات کا اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپ کر رکھنا تہذیبی روایت نہیں تھی بلکہ وہ اس پر عمل اسے اللہ کا دین سمجھ کر کرتی تھیں نہ کہ تہذیبی روایت سمجھ کر!

غامدی صاحب کی سرپرستی میں شائع ہونے والے ایک انگلش رسالہ Renaissance میں ہم جنس پرستی کو فطرت انسانی قرار دیا جا رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ:۱۲۰)

"اور (اے نبی ﷺ) یہود و نصاریٰ آپ سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کریں۔"

"پیغمبروں کے دین میں موسیقی یا آلاتِ موسیقی کو کبھی ممنوع نہیں قرار دیا گیا۔ بیش تر مقامات پر اللہ کی حمد و ثنا کے لیے موسیقی کے استعمال کا ذکر آیا ہے۔"

(ماہنامہ اشراق: ۱۹۹۶ء، ص ۶۱)

غامدی صاحب نے قرآن میں موجود لفظ 'تماثیل' کی بائبل کی آیات کی روشنی میں تفصیل کی ہے اور شیر، بیل اور ملائکہ کی تصاویر کو بھی کتاب مقدس کی روشنی میں صحیح قرار دیا ہے۔ ایک جگہ تورات کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سلیمان علیہ السلام

کے محل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور ان حاشیوں پر جو پڑوں کے درمیان تھے، شیر اور بیل اور کروبی (فرشتے) بنے ہوئے تھے۔"

غامدی صاحب کا حد رجم کا انکار

شادی شدہ شخص اگر زنا کا ارتکاب کرے تو صحیح احادیث کی رو سے اس کی سزا رجم ہے (یعنی پتھر مار مار کر مار دیا جائے) امت کے تمام اہل علم کا سلف سے خلف تک اس پر اتفاق ہے چنانچہ موسوعۃ الاجماع میں ہے:

ان المسلمين اجمعوا على ان الزاني المحصن اذا زنى عامدا، عالما، مختارا، فحده الرجم حتى يموت، وقالت الخوارج و بعض المعتزلة بعدم الرجم (سعدی ابو جیب موسوعۃ الاجماع، ج۱، ص۳۲۲)

"مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ زانی محصن جب عمداً جانتے ہوئے اور اپنے اختیار سے زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا رجم ہے یہاں تک کہ وہ مرجائے جبکہ خارجیوں اور بعض معتزلہ کا موقف رجم نہ کرنے کا ہے۔"

قاضی ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاما الثيب الاحرار المحصنون فان المسلمين اجمعوا على حدهم الرجم الامزقة من اهل الأهواء فانهم رأوا ان حد كل زان الجلد (محمد بن احمد ابن رشد بدایۃ المجتہد، ج۲، ص۶۸۲)

"شادی شدہ آزاد محصن (زانی) کے بارے میں مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان کی حد رجم ہے، سوائے خواہش پرستوں کے ایک گروہ کے، کہ وہ ہر زانی کی سزا کوڑے تجویز کرتے ہیں۔"

اہل اسلام کا اجماعی اور متفقہ فیصلہ جاننے کے بعد

اہل اسلام کا اجماعی و متفقہ فیصلہ جاننے کے بعد اب یہ حیران کن امر بھی ملاحظہ کیجیے کہ خوارج، معتزلہ اور خواہش پرستوں کے نقطۂ نظر کو جناب جاوید احمد غامدی نے اختیار کر رکھا ہے اور اپنی کتاب 'برھان' میں اہل اسلام کے متفقہ موقف پر کڑی تنقید کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فقہائے اسلام نے قرآن و حدیث کا صحیح مدعا سمجھنے میں غلطی کی ہے اور مرتد کی سزا قتل قرار دے کر اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے جس کا وجود ہی شریعت اسلامیہ میں ثابت نہیں۔ گویا اس ''صحیح مدعا'' کا انکشاف پندرہویں صدی ہجری میں پہلی مرتبہ جناب جاوید احمد غامدی پر ہوا ہے۔

غامدی صاحب کا شادی شدہ زانی کے لئے رجم کی سزا کا انکار

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ رجم بھی زنا کی سزاؤں میں سے ایک سزا ہے۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی شریعت موسوی کی طرح زنا کی مختلف صورتوں کے اعتبار سے مختلف سزائیں مقرر کی گئی ہیں۔ شریعت محمدیہ میں زنا کی تین سزائیں ہیں: سو کوڑے، تغریب عام (ایک سال کی جلاوطنی) اور رجم کی سزا۔ واقعے کی نوعیت اور صورت حال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف احوال میں مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں اور بعض اوقات زنا کے کسی واقعے میں جبر و اکراہ، ظلم و زیادتی، قباحت اور شناعت کے بڑھ جانے کی وجہ سے دو سزاؤں کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں زنا کی حد کے طور پر دو سزاؤں کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ فقہ الواقع کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور مختلف احوال میں واقع کی قباحت اور شناعت کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ اسی لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شریعت موسوی میں بھی زنا کی مختلف صورتوں کے لیے مختلف سزائیں بیان ہوئی ہیں جیسا کہ تورات کی ذیل میں بیان شدہ آیات سے پتا چلتا ہے۔ شریعت محمدیہ اور شریعت موسوی دونوں میں زنا کی ایک مخصوص صورت کی سزا رجم بیان ہوئی ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو ایسے زانی کی سزا رجم ہے لیکن غامدی صاحب نے شادی شدہ زانی مرد و عورت کے لیے رجم کی سزا کا انکار کیا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ قرآن سے ثابت نہیں ہے حالانکہ شادی شدہ زانی کے لیے یہ سزا قرآن سے بھی ثابت ہے، حدیث سے بھی ثابت ہے، فطرت صحیحہ سے بھی ثابت

ہے، عقل سلیم سے بھی ثابت اور کتاب مقدس سے بھی شادی شدہ زانی اور اس قسم کے زنا کے لیے رجم کی سزا ثابت ہوتی ہے اور یہ حکم اب بھی کتاب مقدس میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِيَهُودِيٍّ مُحَمَّمًا مَجْلُودًا فَدَعَاهُمْ فَقَالَ هٰكَذَا تَجِدُوْنَ حَدَّ الزَّانِيْ فِيْ كِتَابِكُمْ؟ قَالُوْا نَعَمْ، فَدَعَا رَجُلًا مِنْ عُلَمَائِهِمْ فَقَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اَهٰكَذَا تَجِدُوْنَ حَدَّ الزَّانِيْ فِيْ كِتَابِكُمْ؟ قَالَ لَا وَلَوْ لَا اَنَّكَ نَشَدْتَنِيْ بِهٰذَا لَمْ اُخْبِرْكَ، نَجِدُهُ الرَّجْمَ وَلٰكِنَّهُ كَثُرَ فِيْ اَشْرَافِنَا فَكُنَّا اِذَا اَخَذْنَا الشَّرِيْفَ تَرَكْنَاهُ وَاِذَا اَخَذْنَا الضَّعِيْفَ اَقَمْنَا عَلَيْهِ الْحَدَّ قُلْنَا تَعَالَوْا فَلْنَجْتَمِعْ عَلٰى شَيْءٍ نُقِيْمُهُ عَلَى الشَّرِيْفِ وَالْوَضِيْعِ فَجَعَلْنَا التَّحْمِيْمَ وَالْجَلْدَ مَكَانَ الرَّجْمِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيٰى اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ يَقُوْلُ اِئْتُوْا مُحَمَّدًا فَاِنْ اَمَرَكُمْ بِالتَّحْمِيْمِ وَالْجَلْدِ فَخُذُوْهُ وَاِنْ اَفْتَاكُمْ بِالرَّجْمِ فَاحْذَرُوْا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ فِي الْكُفَّارِ كُلِّهَا (مسلم کتاب الحدود)

"حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے

سے ایک یہودی کو گزارا گیا جو کوئلے سے کالا کیا گیا اور کوڑے کھائے ہوئے تھا تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو بلا بھیجا اور کہا کہ کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کے عالموں میں سے ایک شخص کو بلایا اور اس سے کہا: میں تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات کو حضرت موسیٰ پر نازل کیا، کیا تم اس طرح زانی کی حد اپنی کتاب تورات میں پاتے ہو؟ اس یہودی عالم نے جواب دیا نہیں اور اگر آپ ﷺ مجھے یہ قسم نہ دیتے تو میں آپ کو اس کی خبر نہ دیتا، ہماری کتاب میں تو رجم کی سزا ہے لیکن جب زنا ہمارے عزت دار آدمیوں میں پھیل گیا تو جب ہم کسی امیر آدمی کو اس جرم میں پکڑ لیتے تو چھوڑ دیتے تھے اور جب کسی کمزور آدمی کو اس جرم میں پکڑ لیتے تو اس پر رجم کی حد جاری کر دیتے۔ تو اس وقت ہم نے کہا کہ ہم سب جمع ہو جائیں اور ایک سزا ایسی مقرر کر لیں جو کہ ہم امیر کو بھی دیں اور غریب کو بھی، تو ہم نے منہ کو کالا کرنا اور کوڑوں کی سزا رجم کے مقابلے میں مقرر کی۔ تو اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تعالیٰ! میں سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کرتا ہوں جس کو انہوں نے ختم کر دیا تھا۔ تو آپ ﷺ نے اس یہودی کے بارے میں حکم دیا تو اس کو رجم کیا گیا تو اس موقع پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ سے لے کر اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ تک آیات نازل فرمائیں۔ یہود یہ کہتے تھے کہ تم محمد ﷺ کے پاس آؤ۔ اگر وہ تمہیں منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو ان کی بات مان لینا اور اگر وہ تمہیں زانی کے بارے میں رجم کا فتویٰ دیں تو قبول نہ کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں:

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ O......
وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O......
وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O

یہ سب آیات کافروں کے بارے میں اتریں۔"

اس حدیث سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱) قرآن نے تورات کے حکم رجم کی وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی آیات نازل کر کے تصدیق فرمائی ہے کہ تورات میں یہ حکم موجود ہے اور یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

۲) حکم رجم کو 'مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ' کہہ کر قرآن نے خود بھی حکم رجم کا اثبات کیا۔ ہم غامدی صاحب سے یہی عرض کریں گے کہ ان کے بقول اگرچہ قرآن میں محض زانی کے لیے رجم کی سزا نہیں ہے لیکن اس حدیث کو سامنے رکھیں تو علم میں کم از کم اتنا ضرور اضافہ ہوتا ہے کہ موسیقی کے جواز کے اشارات سے زیادہ قوی اور یقینی اشارات قرآن میں رجم کی سزا کے لیے موجود ہیں۔ کاش کہ غامدی صاحب اپنے اصول ہی کا اطلاق کرتے ہوئے ان اشاراتِ قرآنی کو سامنے رکھتے اور ان کی روشنی میں تورات میں موجود زنا کی مختلف سزاؤں میں سے ایک سزا 'حد رجم' کا بھی اثبات کرتے۔ جس کتاب اللہ کے غامدی صاحب قائل ہیں اس میں اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں بھی اور آج بھی رجم کی سزا کو زنا کی حدود میں سے ایک حد کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تورات کی یہ آیات اس اعتبار سے محفوظ ہیں کہ زنا کی سزاؤں میں سے ایک سزا رجم بھی ہے لیکن غامدی صاحب رجم کو زنا کی سزا ماننے سے ہی

انکاری ہیں۔

زانی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ

غامدی صاحب کے نزدیک زانی چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، دونوں صورتوں میں اس کی سزا سو کوڑے ہے، حالانکہ غامدی صاحب کا یہ موقف قرآن، کتاب مقدس، احادیث، اجماع امت، فطرت صحیحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے۔ کتنی سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ عورت کسی غیر شادی شدہ مرد کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوتی ہے اللہ کی نافرمانی اور معصیت کی وجہ سے ان کی ایک سزا مقرر کی گئی ہے لیکن اگر کوئی شادی شدہ عورت یا مرد زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اب صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ کی نافرمانی ہوئی ہے اور دوسری طرف اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے جائز راستہ ہونے کے باوجود اللہ کی نافرمانی کی۔ تیسرا یہ کہ خاوند یا بیوی کے حقوق تلف ہوئے اور جذبات مجروح ہوئے۔ چوتھا خاندان کا شیرازہ بکھرنے کی صورتیں جمع ہوئیں۔ ان مفسدات کو پہلی صورت سے کہیں زیادہ بعد حاصل ہے اسی لیے دوسری صورت کی سزا مختلف رکھی گئی ہے۔

مسلمان عورت کا غیر مسلمان مرد سے شادی کرنا جائز ہے

اسلام کے قانون نکاح کی رو سے ایک مسلم مرد کے لیے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵)

''اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (تمہارے لیے حلال ہیں)۔''

ظاہر ہے کہ یہ اجازت صرف مسلم مردوں کے ساتھ خاص ہے، علاوہ ازیں مسلمان مردوں اور عورتوں کو مشرکین سے نکاح کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ (البقرۃ:۲۲۱)

''تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی آزاد مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو، اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے نہ کرو، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن غلام آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بہت پسند ہو۔''

مندرجہ بالا دو آیات سے معلوم ہوا کہ:

۱) مسلمان مرد مسلمان عورت کے علاوہ اہل کتاب کی عورت سے بھی شادی کرسکتا ہے۔

۲) اس کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی خاتون سے شادی کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔

۳) مسلمان خواتین اہل کتاب کے مردوں سے شادی نہیں کرسکتیں، ورنہ صرف اہل کتاب خواتین کے حلال ہونے کا ذکر بے معنی ہوگا۔

۴) مسلمان مردوزن کے لیے مشرکین سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔

اب اس کے برعکس غامدی مکتب فکر کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمایئے:

کسی خاتون نے سوال پوچھا کہ میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور ایک ہندو لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہوں، کیا مجھے اس کی اجازت ہے؟ اس کے جواب میں قرآن مجید کی متذکرہ بالا دو آیات ذکر کرنے کے بعد کہا گیا:

''ایک مسلمان لڑکی کے ایک غیر مسلم لڑکے سے شادی کرنے کا براہ راست ذکر سوائے مشرک مردوں کے قرآن مجید میں مثبت یا منفی، کسی پہلو سے موجود نہیں ہے۔ یعنی اسلامی شریعت میں یہ واضح طور پر بیان نہیں کیا گیا کہ ان کی شادی ہوسکتی ہے یا نہیں، لہٰذا اس معاملے میں مسلمان علماء کی آراء مختلف ہوسکتی ہیں۔ ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو ممنوع یا حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ قرآن مجید کی واضح ممانعت نہ ہونے کی بنا پر ایسی شادی غیر پسندیدہ قرار دی جاسکتی ہے۔ اس معاملے میں بہرحال آخری فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے کہ شادی کی جائے یا نہ۔'' www.urdu.understandingislam.org

جواز ہی باقی نہیں رہتا جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا۔ ثانیاً حرمت کا واضح ذکر

.... سے جواز کیسے ثابت ہو گیا، اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی گئی اور اہل علم کے ہاں مسلمہ قاعدہ ہے کہ **الاصل فی البغعة التحریم** (مناکحات میں اصل حرمت ہے) یعنی کسی سے تعلق زوجیت قائم کرنے کے لیے شریعت کی صریح اجازت کی ضرورت ہے، بصورت دیگر یہ جائز نہ ہوگا۔

ثالثاً یہ کہنا کہ اس مسئلے میں مسلمان علماء کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں، محض ایک فلسفیانہ احتمال ہے جو کسی بھی معاملے میں اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس امر واقعہ میں اس مسئلے میں چودہ صدیوں سے آج تک مسلمان علماء کے ہاں کوئی اختلاف سامنے نہیں آیا کہ مسلمان عورت کی غیر مسلم سے شادی نہیں ہو سکتی۔ موسوعۃ الاجماع میں '**نکاح غیر المسلم للمسلمة**' کے عنوان کے تحت لکھا ہے:

"**الاجماع علی تحریم نکاح الکافر للمرأة المسلمة**"

"کافر کی مسلمان خاتون سے شادی کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔"

عورت کا نکاح پڑھانا غامدی صاحب کے نزدیک جائز ہے

ابن رشد اپنی کتاب "بدایة المجتهد" میں لکھتے ہیں

واما النظر فی الصفات الموجبة للولاية والسالبة لها، فانهم اتفقوا على ان من شرط الولايه الاسلام والبلوغ والذكورية ......

(بدایة المجتهد، ج۲ص۹)

"ولایت کو واجب یا سلب کرنے والی صفات کے سلسلے میں علماء کا اتفاق ہے کہ ولایت کی صحت کے لیے تین شرطیں ہیں: (۱) مسلمان ہونا، (۲) بالغ ہونا اور (۳) مذکر ہونا۔"

اور "المغنی" میں ہے:

الذكورية شرط للولاية فی قول الجميع ...... (المغنی ج۶،ص۴۶۵)

"ولایت کے لیے مرد ہونا تمام علماء کے قول کے مطابق شرط ہے۔"

فقہا کی مندرجہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ عورت ولایت نکاح کی اہل نہیں اور یہ اہل علم کا متفقہ موقف ہے۔ یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ جو ولی نہ بن سکے وہ ولی کی وکالت (نیابت) بھی نہیں کر سکتا۔ امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

ومن لم تثبت له الولاية لم يصح توكيله لان وكيله نائب عنه وقائم مقامه. (ایضاً ج۶ ص۴۶۷)

"جس کے لیے ولایت ثابت نہ ہو اسے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ ولی کا وکیل اس کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے۔"

جب عورت نہ ولی بن سکتی ہے اور نہ ولی کی وکالت کر سکتی ہے تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ نکاح نہیں پڑھا سکتی، کیونکہ نکاح میں دو اصل [illegible]

ہے جو ولی یا اس کا وکیل ہی کر سکتا ہے اور عورت ان دونوں (ولایت اور وکالت) کی اہل نہیں۔

عورت کا نکاح پڑھانا غامدی صاحب کے نزدیک جائز ہے

چودہ صدیوں سے اہل اسلام اسی اجماعی ومتفقہ رائے کے مطابق عمل کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ روایت مسلمہ حیثیت رکھتی ہے کہ نکاح پڑھانے کا عمل مرد حضرات ہی سرانجام دیتے ہیں لیکن امت کے اس اجماعی موقف اور اجتماعی تعامل کے برعکس "ارباب المورد" کی رائے یہ ہے کہ عورت بھی نکاح پڑھانے کا استحقاق رکھتی ہے۔ چنانچہ جناب جاوید احمد غامدی سے سوال کیا گیا کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟ تو غامدی صاحب نے جواب دیا:

"جی ہاں بالکل پڑھا سکتی ہے......"

(www.urdu.understandingislam.org)

لیکن افسوس ہے کہ اس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں فرمائی۔

ہمارے خیال میں جناب جاوید احمد غامدی کو اس کے بارے میں شرعی دلائل کے حوالے سے جواب دینا چاہیے تھا جسے انہوں نے نظر انداز کر دیا۔

ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں جملے ملتے ہیں کہ "......اس مسئلے میں تمام فقہاء کی بالاتفاق یہی رائے ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ......" اور "ہمارے علماء کا نقطہ نظر یہی ہے مگر ہمارا موقف یہ ہے کہ......" جبکہ درست رویہ یہ ہے کہ اہل علم کی متفقہ رائے کے بالمقابل کوئی نیا نقطۂ نظر پیش کرنے کی بجائے ان کے دلائل پر غور وفکر کیا جائے اور گہرائی میں اتر کر اس کی معنویت تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ اس سے یقیناً صحیح نتیجے تک رسائی ہو جاتی ہے اور انسان گمراہی

مرد اور عورت کا اکٹھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے

ادارہ "المورد" کے سکالرز کی شاذ ونادر تشریحات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک مرد اور عورت کا اکٹھے کھڑے ہو کر باجماعت نماز ادا کرنا جائز اور درست ہے۔ ایک سوال کے جواب میں "ارباب المورد" کا اس سلسلے میں نقطۂ نظر ان الفاظ میں سامنے آیا:

"مرد وعورت برابر کھڑے ہو کر باجماعت یا انفرادی، دونوں طرح سے نماز ادا کر سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔"

(www.urdu.understandingislam.org)

اب یہاں دیکھئے کہ اس امر کی کوئی دلیل نہیں دی گئی کہ قرآن یا سنت میں اس کا جواز کہاں بیان ہوا ہے۔ اس کے برعکس احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں اس حوالے سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ باجماعت نماز کی صورت میں عورتیں الگ صف میں کھڑی ہوں گی۔ چنانچہ عہد رسالت ﷺ میں مسجد نبوی ﷺ میں کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی تھی کہ پہلے مَردوں کی صفیں ہوتی، اس کے بعد بچے صف بناتے اور بالکل آخر میں خواتین کھڑی ہوتی تھیں۔

علاوہ ازیں فقہائے کرام نے بھی صراحت کی ہے کہ عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہونے کی بجائے اس کے پیچھے کھڑی ہوگی۔

فقہ اسلامی کی مشہور ومعتبر کتاب "المغنی" کے مصنف امام ابو محمد عبداللہ بن احمد المعروف بابن القدامہ لکھتے ہیں:

وان صلت، خلف رجل قامت خلفه لقول النبی ﷺ "اخروهن من

حَیْثُ اَخَّرَھُنَّ اللّٰهُ) وان کان معھما رجل قام عن یمین الامام والمرأة خلفھما، کما روی انس ان رسول اللہ ﷺ صلّی بہ وباُمہ او خالتہ فاقامنی عن یمینہ واقام المرأة خلفنا. رواہ مسلم (ابن قدامہ، المغنی ج۲،ص۲۰۳)

”اگر عورت کسی مرد کی اقتدا میں نماز ادا کرے تو وہ اس کے پیچھے کھڑی ہوگی، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: (تم خواتین کو پیچھے رکھو جیسا کہ اللہ نے انہیں مؤخر رکھا ہے) اور اگر ان دونوں (یعنی مرد و عورت) کے ساتھ کوئی اور آدمی بھی ہو تو وہ امام کے ساتھ کھڑا ہوگا اور خاتون ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگی۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں (انسؓ کو) اور ان کی والدہ یا خالہ کو نماز پڑھائی تو مجھے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور عورت کو ہمارے پیچھے۔“

اس سے واضح ہوا کہ عورت مردوں کے ساتھ کھڑی نہیں ہوگی۔ بلکہ ان سے الگ صف میں نماز ادا کرے گی۔ ابنِ رشد لکھتے ہیں:

ولاخلاف فی ان المرأة الواحدة تصلی خلف الامام

(بدایۃ المجتہد ۱/۱۰۸)

”اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکیلی عورت امام کے پیچھے کھڑی ہوکر ہی نماز پڑھے گی۔“

”اہل اشراق“ کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اکٹھے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ احادیث میں صراحت ہے کہ مردوں کی بہترین صف پہلی اور ناپسندیدہ صف آخری ہے جبکہ عورتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کی توجیہ اہل علم نے یہی کی ہے کہ مردوں کی پہلی صف اور

عورتوں کی آخری صف میں چونکہ فاصلہ زیادہ اور باہمی قرب کم ہوتا ہے اس لیے یہ افضل ہیں، جبکہ عورتوں کی پہلی اور مردوں کی آخری صف میں قرب ہونے کی بنا پر یہ ناپسندیدہ ہیں۔ [illegible] ہے کہ اس سے [illegible] ہوتی ہے جو ایک نقص ہے۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں بھی امت ایک نقطے پر متفق ہے کہ عورت مردوں سے علیحدہ کھڑی ہوکر نماز پڑھے گی۔ لیکن ”اہل المورد“ کو یہاں بھی امت سے اتفاق نہیں اور وہ شوقِ اجتہاد میں راہِ اعتزال پر گامزن ہیں۔

غامدی صاحب کے نزدیک سؤر کے جسمانی اجزاء کی تجارت جائز ہے

''ان علاقوں میں جہاں سؤر کا گوشت بطور خوراک استعمال نہیں کیا جاتا، وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔'' (ماہنامہ اشراق اکتوبر ۱۹۹۸ء، ص ۷۹)

''اہل اشراق'' نے سؤر کی کھال وغیرہ کی تجارت کے ناجائز ہونے کی اصل علت اس امر کو قرار دیا ہے کہ اس سے سؤر کے گوشت کھانے کے مواقع پیدا ہوسکتے ہیں، لہٰذا جہاں یہ مواقع نہ ہوں' وہاں حرمت باقی نہیں رہتی۔ جبکہ پوری امت کے علماء وفقہاء کے نزدیک یہ علی الاطلاق حرام ہے اور اس خود ساختہ علت کا انہوں نے کوئی اعتبار نہیں کیا، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

یہ بات بہرحال بالکل واضح ہے کہ علی الاطلاق سؤر کے اجزاء کی خرید و فروخت کسی بھی فقیہ یا عالم کے نزدیک جائز نہیں اور اہل اشراق اس مسئلہ میں بھی پوری امت کے بالمقابل ایک شاذ رائے اپنائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے یہ امر بھی ناقابل فہم ہے کہ اس قدر نجس اور غلیظ شے کو (جس کے ہر جزو کی نجاست پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے) نجانے کیوں تجارت کے لیے جائز قرار دیا جارہا ہے جسے ایک سلیم الفطرت انسان کسی طور پر بھی گوارا نہیں کرسکتا۔

شریعت نے جانوروں کے حلال اور حرام ہونے کو اپنا موضوع نہیں بنایا

غامدی صاحب اپنی کتاب ''میزان'' کی فصل (اصول و مبادی) میں لکھتے ہیں: ''اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو جانور پیدا کیے ہیں ان میں سے بعض کھانے کے ہیں اور بعض کھانے کے نہیں ہیں۔ یہ دوسری قسم کے جانور اگر کھائے جائیں تو اس کا اثر چونکہ انسان کے تزکیہ پر پڑتا ہے اس لیے ان سے اباء اس کی فطرت میں داخل ہے۔ انسان کی یہ فطرت بالعموم اس کی صحیح رہنمائی کرتی ہے اور وہ بغیر کسی تردد کے فیصلہ کر لیتا ہے کہ اسے کیا کھانا چاہئے اور کیا نہیں کھانا چاہئے۔ اسے معلوم ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے، گدھ، عقاب، سانپ، بچھو اور خود انسان کوئی کھانے کی چیز نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے دستر خوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ان جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ اس میں شبہ نہیں اس کی یہ فطرت کبھی کبھی مسخ ہوجاتی ہے، لیکن دنیا میں انسانوں کی عادات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی ایک بڑی تعداد اس معاملے میں عموماً غلطی نہیں کرتی۔ چنانچہ خدا کی شریعت نے بھی ان جانوروں کی حلت و حرمت کو اپنا موضوع نہیں بنایا، بلکہ انسان کو اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔ اس باب میں شریعت کا موضوع صرف وہ جانور اور ان کے متعلقات ہیں جن کی حلت و حرمت کا فیصلہ تنہا عقل و فطرت کی رہنمائی میں کر لینا ممکن نہ تھا۔ سؤر انعام کی قسم بہائم میں سے ہے، لیکن درندوں کی طرح گوشت بھی کھاتا ہے، پھر اسے کیا کھانے کا جانور سمجھا جائے یا نہ کھانے کا؟ وہ جانور جنہیں ہم ذبح کر کے کھاتے ہیں اگر تزکیے کے بغیر مر جائیں تو ان کا کیا حکم ہونا چاہئے؟ انہیں جانوروں کا خون کیا ان کے بول و براز کی طرح نجس ہے یا

اسے حلال وطیب قرار دیا جائے گا؟ یہ اگر خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کردیے جائیں تو کیا پھر بھی حلال ہی رہیں گے؟ ان سوالوں کا کوئی واضح اور قطعی جواب چونکہ انسان کے لیے دینا مشکل تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے بتایا کہ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانوروں کی حلت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بعد جگہ "قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ" اور بعض جگہ "اِنَّمَا" کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت و حرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ نے کچلی والے درندوں، چنگال والے پرندوں اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اوپر کی بحث سے واضح ہے کہ یہ اسی فطرت کا بیان ہے جس کا علم انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ ہم اگر چاہیں تو ممنوعات کی اس فہرست میں بہت سی دوسری چیزیں بھی اس علم کی روشنی میں شامل کرسکتے ہیں۔ لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے اسے بیان فطرت کے بجائے بیان شریعت سمجھا، درآں حالیکہ شریعت کی ان حرمتوں سے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں، اس کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر حدیث سے قرآن کے نسخ یا اس کے مدعا میں تبدیلی کا کوئی مسئلہ پیدا کیا جائے۔"

(میزان، جاوید احمد غامدی، ص ۳۷ تا ۳۹)

قرآن ان کی کوئی جامع مانع فہرست پیش نہیں کرتا

اسی طرح غامدی صاحب ایک اور جگہ اپنی کتاب میزان (اصول ومبادی) میں لکھتے ہیں:

"قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ دین فطرت کے حقائق، ۲۔ سنت ابراہیمی، ۳۔ نبیوں کے صحائف۔

پہلی چیز کو وہ اپنی اصطلاح میں معروف ومنکر سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جس سے فطرت اباء کرتی اور انہیں برا سمجھتی ہے۔ قرآن ان کی کوئی جامع مانع فہرست پیش نہیں کرتا بلکہ اس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف ومنکر، دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبۃ:۷۱)

"اور وہ مومن مرد اور مومن عورتیں یہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ یہ باہم دگر معروف کی نصیحت کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔"

اس معاملے میں اگر کسی جگہ اختلاف ہو تو زمانہ رسالت کے اہل عرب کا رجحان فیصلہ کن ہوگا۔" (ماہنامہ اشراق مارچ ۲۰۰۴، ص ۱۱)

المورد کے ریسرچ سکالر جناب منظور الحسن غامدی صاحب کے مآخذ دین کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید دین کی آخرت کتاب ہے۔ دین کی ابتدا اس کتاب سے نہیں، بلکہ ان بنیادی حقائق سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے انسانی فطرت میں ودیعت کررکھے ہیں۔ اس کے بعد وہ شرعی احکام ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیاء کی سنت کی حیثیت سے جاری ہوئے اور بالآخر سنت ابراہیمی کے عنوان سے بالکل متعین ہوگئے۔ پھر تورات، زبور اور انجیل کی سورت میں آسمانی کتابیں ہیں جن میں ضرورت کے لحاظ سے شریعت اور حکمت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کی بعثت ہوئی ہے اور قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن دین کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے اور دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف ''میزان'' کے صفحہ ۴۷ پر ''دین کی آخری کتاب'' کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔''

(میزان جاوید احمد غامدی، ص ۴۷ تا ۴۸)

اپنے اس اصول کے تحت غامدی صاحب نے فنونِ لطیفہ (موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی وغیرہ) کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے اسی اصول کو استعمال کرتے ہوئے تمام سمندری جانوروں کو حلال قرار دیا۔

غامدی صاحب کے نزدیک تصویر سازی جائز ہے

شریعت اسلامیہ کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ فطرتِ سلیمہ دراصل دین کے مطابق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ...... (مشکوۃ، ج ۱، ص ۳۳)

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔''

ان تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم، وهو من الكبائر

(موسوعۃ الاجماع، ج ۲ ص ۶۶۷، ۶۶۸)

''بلاشبہ جاندار کی تصویر بنانا سخت حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ یہ تصویر خواہ کپڑے میں ہو، یا دینار پر ہو، یا دیوار پر ہو، یا اس کے علاوہ کہیں ہو (ہر صورت میں حرام ہے) یہی اہل علم کا قول ہے۔''

اسی کتاب کے اگلے صفحہ پر ''حکم صنع التماثیل'' (مجسمہ سازی کا حکم) کے زیر عنوان درج ذیل الفاظ بھی موجود ہیں:

ان الاجماع على ان الصور ان كانت ذات اجسام حرام يجب تغييرها، سواء كانت مما يمتهن ام لا.

''اس بات پر اجماع ہے کہ اگر تصاویر جسم رکھتی ہوں تو وہ حرام ہیں جن کو تبدیل کرنا واجب ہے، چاہے انہیں حقیر سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے۔''

امت کے اس اجماعی نقطہ نظر سے آگاہی کے بعد ہم قارئین کرام کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ ادارہ علم وتحقیق ''المورد'' کے سکالرز یہاں بھی اجماع کے انکاری ہیں اور تصاویر جیسی حرام وناجائز چیز کو مباح اور جائز قرار دے رہے ہیں۔ ''المورد'' کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیع مفتی اپنی کتاب ''تصویر کا مسئلہ'' میں ''تصویر کے حوالے سے دین کا موقف'' کی سرخی جما کر لکھتے ہیں:

''تصویر کے بارے میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کی رہنمائی سے یہ بات تو کھل کر سامنے آگئی ہے کہ مذہب کا تصویر وتمثال پر اعتراض صرف اور صرف کسی دینی اور اخلاقی خرابی ہی کی بنا پر ہے، ورنہ اسے ان چیزوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہنا۔'' (تصویر کا مسئلہ، ص ۳۰)

مزید لکھتے ہیں:

''لیکن فی نفسہٖ تصاویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر گنجائش ہوسکتی ہے جبکہ خدا اور اس کے رسول نے انہیں جائز رکھا ہو؟''

غامدی صاحب کے اصول فطرت کی غلطی

غامدی صاحب کا مذکورہ بالا اصول فطرت غلط ہے اور اس کی غلطی کی درج ذیل وجوہات ہیں:

کیا شریعت نے صرف چار چیزوں کو حرام قرار دیا ہے؟

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ اب شریعت نے کھانے کے جانوروں میں صرف چار چیزوں سؤر، خون، مردار اور خدا کے علاوہ کسی اور نام پر ذبح کیے گئے جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ غامدی صاحب میزان (اصول ومبادی) میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے بتایا کہ سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ جانوروں کی حلت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ چنانچہ قرآن نے بعد جگہ "قُلْ لَّا اَجِدُ فِیْمَا اُوْحِیَ" اور بعض جگہ "اِنَّمَا" کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی حلت وحرمت کے باب میں صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔''

غامدی صاحب نے اپنے ایک غلط اصول (کہ حدیث کے ذریعے قرآن پر اضافہ یا اس کا نسخ نہیں ہوسکتا) کو سیدھا کرنے کے لیے یہ سارا فلسفہ گھڑا۔ غامدی صاحب کے نزدیک گدھا حرام ہے لیکن اس لیے نہیں کہ شریعت نے اسے حرام قرار دیا ہے، بلکہ ان کی فطرت انہیں یہ بتلاتی ہے کہ گدھا سواری کرنے کا جانور ہے نہ کہ کھانے کا، اس لیے یہ فطری محرمات میں سے ہے۔ غامدی صاحب میزان (اصول ومبادی) میں لکھتے ہیں:

"وہ (یعنی انسان) جانتا ہے کہ گھوڑے، گدھے دسترخوان کی لذت کے لیے نہیں، سواری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔"

غامدی صاحب کی فطرت کا اونٹ کے بارے میں کیا خیال ہے

غامدی صاحب کی فطرت کا اونٹ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ بھی تو سواری کا جانور ہے۔ امر واقعہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرب میں سواری کے لیے سب سے زیادہ استعمال ہونے والا جانور اونٹ تھا، اس کے بعد گھوڑا، گدھے کا استعمال سواری کے لیے تو استعمال ہونے والا جانور اونٹ تھا، اس کے بعد گھوڑا، جبکہ گدھے کا استعمال سواری کے لیے تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ غامدی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اونٹ کو قرآن نے حلال قرار دیا ہے تو پھر غامدی صاحب کے اس بیان کا کیا مطلب ہے کہ:

"جانوروں کی حلت وحرمت میں شریعت کا موضوع اصلاً یہ چار ہی چیزیں ہیں۔"

غامدی صاحب کے نزدیک شراب پینا شرعی طور پر حرام نہیں

فطری محرمات کا اصول وضع کر کے غامدی صاحب نے دین میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اور یہ فتنہ کس طرح آگے بڑھ رہا ہے اس کا اندازہ المورد کے ایک ریسرچ سکالر امیر عبدالباسط صاحب کے شراب سے متعلقہ ایک سوال کے جواب سے ہوتا ہے:

"اپنے پچھلے جواب میں ہم نے (شراب کے لیے) ناپسندیدہ کا لفظ حرمت کے مقابلے میں اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ شراب پینا شرعی حرمتوں میں سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اس سے بھی زیادہ بنیادی یعنی فطری حرمتوں میں سے ہے۔ آپ (سائل) نے فرمایا کہ ہماری رائے نصوص شریعہ کے خلاف ہے۔ اگر آپ قرآن کی کوئی ایسی آیت پیش کر دیں جس میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو واضح لفظوں میں حرام قرار دیا ہے تو ہمیں اپنی رائے سے رجوع کرنے میں ہرگز کوئی تامل نہیں ہوگا۔"

(www.urdu.understandingislam.org)

یہ فتاویٰ جات غامدی صاحب کی نگرانی میں قائم شدہ المورد کی سرکاری ویب سائٹ (www.urdu.understandingislam.org) پر جاری کئے جا رہے ہیں۔ کیا شراب کی حرمت کے بارے میں قرآن کے چار مختلف انداز سے تاکیدی اور صریح بیانات رِجْسٌ اور مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، اور فَاجْتَنِبُوْهُ، اور فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ، سے بھی اس کی شرعی حرمت ثابت نہیں ہوتی؟ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔

دین کے مصادر قرآن کے علاوہ سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں

المورد کے ریسرچ سکالر جناب منظور الحسن غامدی صاحب کے مآخذ دین کے بارے میں لکھتے ہیں:

"قرآن مجید دین کی آخرت کتاب ہے۔ دین کی ابتدا اس کتاب سے نہیں، بلکہ ان بنیادی حقائق سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے روز اول سے انسانی فطرت میں ودیعت کر رکھے ہیں۔ اس کے بعد وہ شرعی احکام ہیں جو وقتاً فوقتاً انبیاء کی سنت کی حیثیت سے جاری ہوئے اور بالآخر سنت ابراہیمی کے عنوان سے بالکل متعین ہوگئے۔ پھر تورات، زبور اور انجیل کی صورت میں آسمانی کتابیں ہیں جن میں ضرورت کے لحاظ سے شریعت اور حکمت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ کی بعثت ہوئی ہے اور قرآن مجید نازل ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن دین کی پہلی نہیں، بلکہ آخری کتاب ہے اور دین کے مصادر قرآن کے علاوہ فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی کی روایت اور قدیم صحائف بھی ہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث استاذ گرامی جناب جاوید احمد غامدی کی تالیف "میزان" کے صفحہ ۳۷ پر "دین کی آخری کتاب" کے زیر عنوان ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔"

(میزان جاوید احمد غامدی، ص ۳۷ تا ۳۸)

اپنے اس اصول کے تحت غامدی صاحب نے فنون لطیفہ (موسیقی، مصوری اور مجسمہ سازی وغیرہ) کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے اسی اصول کو استعمال کرتے ہوئے تمام سمندری جانوروں کو حلال قرار دیا۔

غامدی صاحب کا اصول مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی نظر میں

سجدہ تعظیمی سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے امین احسن اصلاحی صاحب کی تحریر میں سے چند اقتباسات ہم یہاں نقل کیے دیتے ہیں:

"سوال یہ ہے کہ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں یا بعض جگہ پچھلی شریعتوں کے جو جو حوالے آگئے ہیں، کیا وہ مجرد اتنی بات سے کہ وہ قرآن میں مذکور ہیں، اس امت کے لیے شریعت کی حیثیت اختیار کرسکتے ہیں، یا اس امت کے لیے ان شریعت بننے کے لیے کچھ اور شرطیں بھی ہیں؟ میرا نقطہ نظر اس طرح کے تمام واقعات اور حوالوں سے متعلق یہ ہے کہ یہ مجرد قرآن میں مذکور ہوجانے کی وجہ سے امت محمدیہ کے لیے شریعت بن گئے قرآن میں حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب ان کو ان کے بھائی نے قتل کرنے کی دھمکی دی تو انہوں نے کہا کہ میں تو تم پر قتل کے ارادے سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، خواہ تم مجھے قتل ہی کر ڈالو۔ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محض اس خدمت کے معاوضے میں کردیا کہ وہ ایک خاص مدت تک ان کی بکریاں چرائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ ان کی قوم کے غنڈوں نے جب ان کے مہمان کی فضیحت کرنی چاہی تو انہوں نے ان کو مخاطب کرکے کہا: اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو میری لڑکیوں کے ساتھ کرو، خدارا! میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ہیں کہ ایک مرتبہ فوج کی پریڈ کے موقع پر ان کی نماز عصر قضا ہوگئی تو انہوں

نے شدت جذبات سے مغلوب ہو کر گھوڑوں ہی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ سورۂ کہف میں ایک نیک بندے کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اس بناء پر ایک بچے کو قتل کر دیا تھا کہ انہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کا نافرمان ہو گا اور ایک کشتی میں اس بنا پر سوراخ کر دیا کہ انہیں اندیشہ ہوا کہ اس دیار کا بادشاہ کہیں اس کشتی کو قبضے میں نہ کر لے۔ یہ اور اس طرح کے جو واقعات قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور بطریق مذمت نہیں بیان ہوئے بلکہ بطریق مدح بیان ہوئے ہیں، یہ اس امت کے لیے قانون اور شریعت بن جائیں گے؟ اور ایک شخص کے لیے یہ بات جائز ہو جائے گی کہ اگر وہ اپنے کشفی علم سے کسی بچے کے بارے میں یہ معلوم کر لے کہ یہ نافرمان اٹھے گا تو اسے قتل کر ڈالے یا کوئی شخص اس پر حملہ آور ہو تو اپنے آپ کو بے چون و چرا اس کے حوالے کر دے؟...... ان ضمنی طور پر بیان شدہ واقعات سے اگر کوئی تعلیم نکلتی ہے تو وہ اس امت کے لیے اس صورت میں ہدایت اور شریعت کا درجہ اختیار کر سکتی ہے جب کتاب و سنت کی دوسری تصریحات سے بھی اس بات کی تائید ہو جائے کہ اس تعلیم کو اس امت کے اندر بھی باقی رکھنا شارع کو مطلوب ہے یا کم از کم یہ کہ کوئی بات اس کے خلاف نہ پائی جائے۔ لیکن اگر دوسری تصریحات اس کے خلاف ہوں تو اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ اس امت میں اس تعلیم کو باقی رکھنا شارع کو مطلوب نہیں ہے۔ اگر اس قسم کی کوئی تصریح خود قرآن میں ہو تو وہ تصریح اس اشارہ پر مقدم ہو گی...... اور اگر یہ تصریح کے بجائے حدیث میں ہو تو بھی اس کو تقدم حاصل ہو گا...... جو کچھ موجود ہے اس کی حیثیت محض ایک واقعہ کی ہے جو پچھلی امتوں میں سے کسی امت میں یا سابق انبیاء میں سے کسی نبی کی زندگی میں پیش آیا۔ سوال یہ ہے کہ اس امت میں یہ

بات بعینہٖ اس شکل میں مطلوب ہے یا نہیں، تو اس کی وضاحت قرآن بھی کر سکتا ہے اور حدیث بھی کر سکتی ہے۔ قرآن کے کسی واضح حکم کو منسوخ کرنے کے لیے تو بلاشبہ حدیث ناکافی ہے لیکن پچھلی امتوں یا سابق انبیاء میں سے کسی کی تعلیم کو یا کسی روایت کو منسوخ کرنے کے لیے تو حدیث بالکل کافی ہے۔ بے شمار معاملات ہیں جن میں ہم جانتے ہیں کہ سابق انبیاء کی تعلیم کچھ اور تھی اور ہمارے نبی نے ہمیں اس کی جگہ کوئی اور ہدایت فرمائی اور ہم بے چون و چرا اس کو تسلیم کرتے ہیں، یہ عذر نہیں پیش کرتے کہ کسی سابق نبی کی تعلیم کو حدیث کس طرح منسوخ کر سکتی ہے۔" (ماہنامہ اشراق، نومبر ۱۹۸۹، ص ۳۶ تا ۳۸)

امین احسن اصلاحی صاحب کی درج بالا عبارت سے درج ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

۱) کتاب مقدس کی وہ تعلیمات جو قرآن میں اشارتاً، اجمالاً یا تفصیلاً بیان ہوئی ہیں، اس وقت تک ہمارے لیے دلیل نہیں بن سکتیں جب تک کہ خود قرآن یا حدیث سے ان تعلیمات کا اثبات نہ ہو۔ گویا کہ اصل دلیل قرآن و سنت ہے نہ کہ سابقہ شرائع، جبکہ غامدی صاحب سابقہ شرائع کو مستقل طور پر مآخذ دین میں سے شمار کرتے ہیں اور ان سے بھی مسائل کا اثبات کرتے ہیں۔

۲) قرآن کے علاوہ اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث بھی کتب سابقہ کی تعلیمات کی منسوخی کے لیے کافی ہیں۔ یعنی قرآن کی کسی آیت کی تفسیر یا اس کے علاوہ کسی مسئلے میں اگر کتاب مقدس اور احادیث میں اختلاف ہو جائے تو حجت احادیث ہوں گی جبکہ غامدی صاحب قرآن کی کسی آیت کی تفسیر میں احادیث کے بالمقابل کتاب مقدس کی آیات کو ترجیح دیتے ہیں، جیسا کہ بہت سارے معاملات میں

کی آراء سے بھی ظاہر ہے۔

۳) بہت سارے احکامات جو پچھلی شریعتوں میں جائز تھے، ہمارے لیے ان پر عمل کرنا یا ان سے اپنے عمل پر دلیل پکڑنا جائز نہیں جبکہ غامدی صاحب اس کے قائل نہیں ہیں کہ ایک فعل کسی شریعت میں جائز رہا ہو اور بعد میں اسے کسی دوسری شریعت میں شارع کی طرف سے ناجائز قرار دے دیا گیا ہو۔

غامدی صاحب کا اصول میزان کی نظر میں

غامدی صاحب نے جس طرح سے موسیقی یاجوج ماجوج اور تصویر وغیرہ کے مسئلے میں کتاب مقدس سے استدلال کیا ہے وہ خود ان کے اپنے اس اصول کے سبب ہے جو انہوں نے اپنی کتاب 'میزان' میں بیان کیا ہے۔ غامدی صاحب 'میزان' میں ایک جگہ تدبر قرآن کے اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سوم یہ کہ الہامی لٹریچر کے خاص اسالیب، یہود و نصاریٰ کی تاریخ، انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتوں اور اس طرح کے دوسرے موضوعات سے متعلق قرآن کے اسالیب و اشارات کو سمجھنے اور اس کے اجمال کی تفصیل کے لیے قدیم صحیفے ہی اصل ماخذ ہوں گے۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ص ۵۲)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک قدیم صحائف کو یہود و نصاریٰ کے اخبار واقعات اور قصص و تاریخ سے متعلقہ قرآنی آیات کو سمجھنے کے لیے ماخذ بنایا جائے گا نہ کہ احکام و عقائد کے لیے۔ یہ نہایت موزوں موقع تھا کہ غامدی صاحب اس مسئلے پر اصولی بحث کرتے ہوئے اپنی اس عبارت میں احکام اور عقائد کا بھی تذکرہ کر دیتے، لیکن ان کا یہاں پر احکام و عقائد کا تذکرہ نہ کرنا اور کہیں اور جا کر احکام اور عقائد سے متعلقہ مسائل کے لیے

قدیم صحائف کو بنیاد بنانا ذہن میں کچھ سوالات ضرور پیدا کرتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ موسیقی اور تصویر کا تعلق احکام سے ہے اور یاجوج ماجوج کا تعین عقیدے کا مسئلہ ہے۔ عقیدے اور احکام کے بارے میں غامدی صاحب کے ہاں ایک انتہا تو یہ ہے کہ خبر واحد سے تو کسی عقیدے کو ثابت نہیں کیا جاسکتا لیکن دوسری طرف تحریف شدہ کتاب مقدس سے وہ کس سہولت و آسانی سے احکام و عقائد کا اثبات کر رہے ہیں، یہ بالکل ظاہر و باہر ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک حدیث سے کوئی نیا حکم یا عقیدہ تو ثابت نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ حدیث قرآن میں موجود کسی حکم یا عقیدے کی تفہیم و تبیین میں دلیل بن سکتی ہے جبکہ یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ غامدی صاحب کتاب مقدس سے ایک نئے حکم (موسیقی کا جواز) کو ثابت کر رہے ہیں، کیونکہ بقول ان کے قرآن کے الفاظ میں اس مسئلہ کی حلت و حرمت کے بارے میں کوئی یقینی حکم نہیں ہے۔ گویا کہ غامدی صاحب کے نزدیک کتاب مقدس صرف قرآنی آیات و احکام کی تفہیم و تبیین ہی نہیں کرتی بلکہ اس سے نئے احکام کا اثبات بھی کیا جاسکتا ہے۔ فیاللعجب

غامدی صاحب کے نظریات کا رد قرآن وسنت کی روشنی میں

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کے اندر امت محمدیہ نہ تو سابقہ شرائع کی متعبد ہے اور نہ ہی سابقہ امم کی کتابیں ہمارے لیے مآخذ دین کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس دعوے کے درج ذیل دلائل ہیں۔

پہلا ثبوت

اللہ کے رسول ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو فرمایا: كَيْفَ تَقْضِيْ إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ: أَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابَ اللّٰهِ، قَالَ، فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، قَالَ: فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، قَالَ: أَجْتَهِدُ رَأْيِيْ.

(سنن ابوداؤد کتاب الاقضیۃ)

''اگر تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کروگے؟ تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا میں قرآن سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہیں قرآن میں نہ ملے؟'' تو حضرت معاذؓ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ مسئلہ نہ قرآن میں ملے اور نہ سنت رسول میں؟'' تو حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔''

اس روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پچھلے انبیاء اور ان کی تعلیمات کا بالکل بھی تذکرہ نہیں کیا۔ اگر سابقہ کتب سماویہ بھی مآخذ دین میں سے ہوتیں تو اللہ کے رسول ﷺ ان کو ان کتب کی طرف بھی رجوع کا حکم دیتے۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اس قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے ان کے لیے دعا کی۔

دوسرا ثبوت

قاضی شریح نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کو ایک خط لکھا جس میں قضاء کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رہنمائی حاصل چاہی تو حضرت عمر رضی اللہ نے ان کو جواباً یہ خط لکھا:

أَنْ اقْضِ بِمَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاقْضِ بِمَا قَضٰى بِهِ الصَّالِحُوْنَ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُوْنَ فَإِنْ شِئْتَ فَتَقَدَّمْ وَأَنْ شِئْتَ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَرٰى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرٌ لَّكَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ (سنن نسائی، کتاب آداب القضاۃ)

''تم اللہ کی کتاب قرآن کے ساتھ (لوگوں کے درمیان) فیصلہ کرو اگر کتاب اللہ میں وہ مسئلہ موجود نہ ہو تو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے ساتھ فیصلہ کرو، اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور سنت رسول ﷺ میں بھی نہ ہو تو نیک لوگوں کے فیصلوں کو سامنے رکھو، پس اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں بھی نہ ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بھی نہ ہو اور نیک لوگوں نے بھی اس کے بارے میں کوئی رائے نہ دی ہو تو اب اگر تم چاہو تو آگے بڑھو (یعنی خود اجتہاد کرو) لیکن میرے خیال میں تمہارا رکا رہنا تمہارے حق میں بہتر ہے تمہارے اوپر اللہ کی سلامتی ہو''۔

تیسرا ثبوت

اگر پچھلی شریعتیں بھی مآخذ دین میں سے ہوتیں تو ان کا سیکھنا فرض کفایہ ہوتا اور اللہ کے رسول ﷺ خود بھی تورات وانجیل کی تعلیم حاصل کرتے اور صحابہ کرام رضی

اللہ عنہ کو بھی کتاب مقدس کی تعلیم دیتے۔ جبکہ ہمارے علم میں ہے کہ نہ تو اللہ کے رسول ﷺ نے خود سابقہ کتب کا مطالعہ کیا اور نہ صحابہ نے ان کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی حالانکہ آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے پاس عبداللہ بن سلام، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ کی صورت میں اس کے مواقع بھی موجود تھے۔

چوتھا ثبوت

اس بات پر علماء امت کا اجماع ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آکر پچھلی شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اگر استثناء ہے بھی تو محض عقائد، اخلاقیات اور چند بنیادی مخصوص احکامات کا جن کو ہماری شریعت نے بھی برقرار رکھا ہے۔ اس لیے پچھلی شریعتوں سے عمومی طور پر دلیل پکڑنا صحیح نہیں ہے۔

پانچواں ثبوت

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً

(بخاری کتاب التیمم)

”مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ مجھ سے پہلے وہ کسی نبی کو نہ دی گئیں، پہلی بات یہ ہے کہ ایک مہینے کی مسافت تک دشمنوں پر میرا رعب ڈال دیا گیا۔ دوسری بات یہ کہ میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔ چوتھی بات یہ کہ مجھے

مقام شفاعت عطا کیا گیا اور پانچویں بات یہ کہ مجھ سے پہلے انبیاء کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام نوعِ انسانی کا نبی بنا کر بھیجا گیا۔“

اللہ کے رسول ﷺ کے یہ الفاظ وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً اس مسئلے میں قطعی حجت ہیں کہ سابقہ شرائع مخصوص اقوام کے لیے تھیں جبکہ وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً، کے الفاظ سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ آپ ﷺ کی ہی شریعت وہ اکیلی شریعت ہے جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہنمائی اور ہدایت کی صلاحیت رکھتی ہے۔

چھٹا ثبوت

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے:

كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَءُونَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ((لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ وَقُولُوا ﴿آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا ...... الآية﴾

(بخاری کتاب التفسیر)

”اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے لیے عربی زبان میں اس کی تفسیر کرتے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نہ تو اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو اور یہ بات کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل کیا گیا......“

اللہ کے رسول ﷺ کی طرف تو وحی آتی تھی اور آپ ﷺ وحی کی روشنی میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بتا سکتے تھے کہ تورات کی یہ آیات محفوظ ہیں یا نہیں اور تورات کی محفوظ آیات سے استدلال بھی کر سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے نہ تو بذاتِ خود تورات کی آیات کی تصدیق کی اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت دی۔

ساتواں ثبوت

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (سنن ترمذی کتاب العلم)

''میری طرف سے پہنچاؤ چاہے وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرلیا کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

'ولاحرج' کے الفاظ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل سے روایت کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔ ایک ایسی چیز کہ جس سے نقل کرنے کی رخصت دی گئی ہو وہ ہمارے لیے شریعت کیسے ہوسکتی ہے؟ جو چیز شریعت ہے اس سے استدلال واجب ہے جیسے کہ قرآن وسنت ہیں جبکہ سابقہ کتب سے رہنمائی کو واجب قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس کی رخصت دی گئی ہے اور یہ رخصت بھی راجح قول کے مطابق صرف واقعات کی حد تک ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی جاری فرمادی کہ اہل کتاب کی باتیں سن لینے میں اور بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان کی باتوں کی تصدیق یا تکذیب نہ کرو۔ اس حدیث کے مطابق بنی اسرائیل سے متعلقہ قرآنی اخبار و قصص کی تکمیل کے لیے کتاب مقدس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے لیکن ان واقعات میں بھی بہت کچھ جھوٹ کی آمیزش ہوچکی ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے اہل کتاب سے نقل کرنے کی اجازت تو دے دی لیکن اس کی تصدیق وتکذیب

سے روک دیا۔

آٹھواں ثبوت

حضرت عبیداللہ بن عبداللہؒ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

كَيْفَ تَسْأَلُوْنَ اَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَیْءٍ وَكِتَابُكُمُ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَحْدَثُ تَقْرَءُوْنَهٗ مَحْضًا لَمْ يُشَبْ وَقَدْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ بَدَّلُوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَغَيَّرُوْهُ وَكَتَبُوْا بِاَيْدِيْهِمُ الْكِتَابَ وَقَالُوْا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اَلَا يَنْهَاكُمْ مَا جَاءَكُمْ مِنَ الْعِلْمِ عَنْ مَسْاَلَتِهِمْ لَا وَاللّٰهِ مَا رَاَيْنَا مِنْهُمْ رَجُلًا يَسْاَلُكُمْ عَنِ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَيْكُمْ

(بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

''کیسے تم اہل کتاب سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھتے ہو حالانکہ تمہاری کتاب جو کہ اللہ کے رسول ﷺ پر نازل کی گئی، زیادہ نئی ہے؟ تم اس کو خالص حالت میں پڑھتے ہو اور اس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں کی گئی جبکہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا ہے اور اس کو تبدیل کردیا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھی ہے اور اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے بدلے میں کچھ قیمت حاصل کرسکیں۔ خبردار! جو علم (قرآن وسنت) تمہارے پاس آیا ہے وہ تمہیں اہل کتاب سے سوال کرنے سے منع کرتا ہے۔ نہیں، اللہ کی قسم ہم نے اہل کتاب میں سے کسی آدمی کو نہیں دیکھا کہ جو تم سے اس (قرآن وسنت) کے بارے میں سوال کرے جو کہ تم پر نازل کیا گیا ہے۔''

اگر کوئی اس حدیث کی تشریح میں یہ بات کہے کہ اہل کتاب سے کوئی مسئلہ

دریافت کرنے سے منع کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ سابقہ کتب محفوظ نہیں، اگر وہ محفوظ ثابت ہوجائیں تو ان سے رہنمائی لی جاسکتی ہے، تو ہمارے نزدیک یہ استدلال غلط ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سابقہ کتب کی تعلیمات کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ وہ محفوظ ہیں یا نہیں، چنداں مشکل نہ تھا۔ صحابہ کرام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ سکتے تھے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ تعلیم محفوظ ہے اور اس میں تحریف ہوچکی ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ کا سابقہ کتب کی تعلیمات سے عدم تعرض اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سابقہ کتب سے استدلال نہ کرنے کا جو حکم ہے اس کی اصل علت شریعت محمدیہ کا کامل واکمل ہونا ہے جو کہ انتہائی درجے اتمام اور اکمال کی وجہ سے سابقہ شرائع کی کسی طور بھی محتاج نہیں ہے۔

نواں ثبوت

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَسْأَلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ فَاِنَّهُمْ لَنْ يَّهْدُوْكُمْ وَقَدْ ضَلُّوْا فَاِنَّكُمْ اِمَّا اَنْ تُصَدِّقُوْا بِبَاطِلٍ اَوْ تُكَذِّبُوْا بِحَقٍّ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ مَا حَلَّ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَّتَّبِعَنِيْ (مسند احمد، ۳،۱۴۱۰۴)

''اہل کتاب سے کچھ بھی نہ پوچھو، بے شک وہ تمہاری رہنمائی نہیں کرسکتے کیونکہ وہ خود گمراہ ہوچکے ہیں۔ ان سے مسئلہ پوچھ کر یا تو تم کسی باطل چیز کی تصدیق کر بیٹھو گے یا کسی حق بات کو جھٹلاؤ گے۔ (یاد رکھو) اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی تمہارے درمیان موجود ہوتے تو ان کے لیے بھی سوائے میری اتباع کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔''

''عَنْ شَيْءٍ'' میں ہر چیز داخل ہے۔ یعنی سابقہ شرائع کسی مسئلے میں بھی رہنمائی کے قابل نہیں ہیں چاہے وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہو یا احکام سے یا اخبار و قصص سے، کسی حد تک قرآن وسنت کے سیاق وسباق کی تعیین کے لیے اسرائیلی اخبار وقصص کے نقل کرنے کی جو رخصت دی گئی ہے اس میں بھی اصل مطلوب ان کتب میں بیان شدہ واقعات سے رہنمائی حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد قرآن وسنت میں وارد شدہ واقعات کے صحیح مفہوم تک حاصل کرنا ہے۔

دسواں ثبوت

آج یہ بات تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے میں صرف بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے نہ کہ اس وقت کی پوری دنیا کی طرف مبعوث تھے۔ یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مصر وفلسطین کے علاوہ بھی دنیا تھی جہاں لوگ آباد تھے۔ ان کے لیے شریعت کون سی تھی؟ ان کی طرف کس نبی کو بھیجا گیا تھا؟ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت میں ساری دنیا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے؟ یقیناً اللہ کے رسول ﷺ کی احادیث اور تاریخ اس چیز کی نفی کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ساری دنیا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت اپنے زمانے میں موجود تمام انسانوں کے لیے حجت نہ تھی تو صدیوں بعد آنے والی امت محمدیہ کے لیے کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

گیارھواں ثبوت

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِيْثَ مِنْ

يَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰى اَنْ نَّكْتُبَ بَعْضَهَا؟ فَقَالَ اَمُتَهَوِّكُوْنَ اَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى؟ لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِهَا بَيْضَاءَ نَقِيَّةً وَلَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ (مشکوۃ، ۱۷۷)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آپ ﷺ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے کہا کہ ہم یہود سے بہت ساری ایسی باتیں سنتے ہیں جو کہ ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے، اگر ہم ان میں سے کچھ کو لکھ لیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم بھی اہل یہود کی طرح ہلاک ہونا چاہتے ہو! میں تمہارے پاس ایسی واضح اور روشن آیات لے کر آیا ہوں کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔"

ایک اور طویل روایت کے الفاظ یہ ہیں:

وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَّ اَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَا تَّبَعَنِيْ

"اور اگر حضرت موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پالیتے تو لازماً میری اتباع کرتے۔"

بعض روایات میں الفاظ ہیں:

لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ

"اگر موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اتباع کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔"

ان احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پچھلی ساری شریعتیں منسوخ ہیں اور اگر وہ محفوظ ثابت ہو بھی جائیں تو پھر بھی ان پر عمل نہ ہوگا، جب ان انبیاء کے بارے میں فرمادیا گیا جن پر یہ کتابیں نازل ہوئیں کہ وہ بھی اگر آپ کے زمانے کو

پالیں تو انہیں بھی اپنی کتابوں کی بجائے آپ ﷺ کی اتباع کرنی ہوگی، حالانکہ اس صورت حال میں تو تورات و انجیل بعینہٖ اپنی اصل شکل میں محفوظ ثابت ہوجاتی ہیں۔ حضرات موسیٰ اور عیسیٰ اگر زندہ ہوتے تو ان کے لیے تورات وانجیل ایسے ہی محفوظ ہوتی جیسے ہمارے لیے قرآن، کیونکہ ان سے زیادہ تورات وانجیل کو کون جانتا ہوگا لیکن اس کے باوجود ان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ آپ کے ایک امتی ہی کی حیثیت سے اس امت میں زندگی گزارتے۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ جب اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو آپ ﷺ کے امتی ہی کی حیثیت سے آئیں گے اور آپ ﷺ ہی کی لائی گئی شریعت کے پیرو ہوں گے نہ کہ تورات وانجیل کے، مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ فَقَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ (مشکوۃ)

"اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک گروہ قیامت تک حق کے لیے لڑتا رہے گا اور (اپنے دشمنوں پر) قیامت (کے قریب) تک غالب رہے گا یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول ہو۔ تو ان کا امیر حضرت عیسیٰ سے کہے گا: آئیں! ہمارے لیے امامت کرائیں تو حضرت عیسیٰ انکار کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم میں بعض بعض کا امیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عزت بخشی ہے (کہ ان کا امیر انہی میں سے ہو)۔"

بارھواں ثبوت

علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں آیہ مبارکہ:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران:۸۱)

کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان فقہائے صحابہ کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ وعدہ لیا تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کی ظاہری زندگی میں آپ مبعوث ہو جائیں تو وہ آپ ﷺ پر لازماً ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ پختہ وعدہ لیں کہ اگر ان کی موجودگی میں آپ کا ظہور ہو جائے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔"

انبیاء سے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا جو مطالبہ کیا گیا ہے اس سے یہ بات خوب اچھی طرح واضح ہو رہی ہے کہ آپ کی آمد کے بعد کسی نبی کو بھی اپنی شریعت پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی چہ جائیکہ کسی امتی کو آپ کی بعثت کے بعد یہ اجازت دی جائے۔ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ آخری نبی کی لائی ہوئی شریعت کو اتنا جامع اور مکمل ہونا تھا کہ وہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی بن سکے جبکہ باقی انبیاء کو ان کے خاص دور علاقے اور قوم کی مناسبت سے شریعتیں دی گئی تھیں۔

پاکستان شریعت کونسل (کینسل) کے سربراہ اور ماہنامہ الشریعہ کے سرپرست مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بارہ میں "وفاق المدارس" ملتان کا تبصرہ

ہمارے سامنے یہ ماہنامہ "الشریعہ" کا نومبر، دسمبر 2008ء کا شمارہ ہے۔ جو "الشریعہ اکیڈمی" گوجرانوالہ سے مولانا زاہد الراشدی صاحب کی زیر سرپرستی برسوں سے شائع ہو رہا ہے اور ہمارے پاس ماہنامہ "وفاق المدارس" میں تبصرے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس کے رئیس تحریر مولانا زاہد الراشدی صاحب اور مدیران کے بیٹے حافظ عمار خان ناصر صاحب ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک سیال قلم بخشا ہے۔ وہ اپنی بات انتہائی سلیس اور روانی سے شیریں اسلوب میں پڑھنے والے کے دل کے اندر اتارتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت بھی بہت بلند ہے اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہم کے صاحبزادے اور پاکستان میں گوجرانوالہ کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث ہیں۔ مولانا زاہد الراشدی رسالے کے اجراء کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الشریعہ کادمی گوجرانوالہ کے اس ترجمان کی ابتداء اس عزم کے ساتھ ہوئی تھی کہ دور حاضر کے مسائل اور چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی تعلیمات واحکام کو جدید اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ عالم اسلام کے علمی و دینی حلقوں کے درمیان رابطہ و مفاہمت کے فروغ کی راہ ہموار کی جائے گی۔ اسلام دشمن لابیوں اور حلقوں کے تعاقب اور نشان دہی کا فریضہ انجام دیا جائے گا اور دینی حلقوں میں فکری بیداری کے ذریعے سے جدید دور کے علمی و فکری چیلنجز کا

ادراک واحساس اجاگر کیا جائے گا۔ ان مقاصد کی طرف ہم کس حد تک پیش رفت کر
پائے ہیں۔ اس کے بارہ میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ **الشریعہ ص ۲ جنوری 2006ء**

آج جب کہ ہم یہ تبصرہ لکھ رہے ہیں۔ الشریعہ کی اشاعت کو تقریباً بیس سال
مکمل ہونے کو ہیں۔ الشریعہ کی فائلیں دیکھ کر ہمیں انتہائی دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے۔
''مولانا زاہد راشدی صاحب اس پلیٹ فارم پر اپنے اکابر کی راہ مستقیم سے الگ
ہو رہے ہیں''۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کے مقاصد وہی ہیں
جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں اور وہ واقعتاً انہی مقاصد کے لئے اتنی تگ و دو کر رہے
ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ الشریعہ کے ذریعے ذہنی اضطراب و انتشار کے علاوہ
بظاہر علمی و دینی حلقوں میں اسی طرح کی کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ جہاں تک اسلامی
تعلیمات کو جدید اسلوب اور تقاضوں کے مطابق پیش کرنا ہے اسلام دشمن لابیوں اور
حلقوں کا تعاقب کرنا ہے اور دور جدید کے علمی و فکری چیلنجز کا ادراک و احساس اجاگر
کرنا ہے تو دینی حلقے پہلے بھی یہ فریضہ انجام دے رہے تھے اب بھی دے رہے ہیں اور
ان شاء اللہ مستقبل میں بھی دیتے رہیں گے۔

لیکن الشریعہ کا طرز اسلوب اور حالات و واقعات بتاتے ہیں کہ الشریعہ
اکیڈمی کی صورت میں مولانا زاہد الراشدی صاحب جس علمی و فکری ماحول اور
معاشرے کی تشکیل دینا چاہتے ہیں اس کی ایک مثال تحقیق کے نام پر اہل اسلام کے
مسلمات سے تجاوز اور قدیم و جدید کے درمیان تطبیق و آہنگی کے نام پر اسلامی
احکامات کی حقیقی شکل وصورت کو مسخ کرنے کی صورت میں ان کے بیٹے اور ان کی
سرپرستی میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''الشریعہ'' کے مدیر محمد عمار خان ناصر کی صورت

میں سامنے آئی ہے۔ یہ مولانا کی بیس سالہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ جس کو وہ مختلف افکار و
نظریات کے حامل مسلمان اہل علم کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا بتاتے ہیں۔ مولانا
بظاہر معروف تجدد پسند **جاوید احمد غامدی** سے علمی و فکری اختلاف کا اظہار کرتے رہے
ہیں۔ لیکن اس کی علمی و فکری کاوشوں کا ثمرہ اور مرکز و محور بتاتا ہے کہ وہ غامدی افکار و
نظریات کے امین اور اس کی اشاعت و ترویج کے لئے اپنی صلاحیتیں پورے طور پر
بروئے کار لائے ہوئے ہیں۔

مولانا زاہد الراشدی صاحب کے بیٹے اور ماہنامہ الشریعہ کے مدیر حافظ
عمار خان ناصر جاوید احمد غامدی کے شاگرد و خوشہ چین ہیں اور وہ آزاد خیالی میں انہی
کے طرز فکر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کی تالیفی کاوشیں اور الشریعہ کی فائلیں ہماری
اس بات کی شاہد ہیں اور ماہنامہ ''الشریعہ'' کا اجراء بھی اسی طرز فکر کو پروان چڑھانے
کے لئے کیا گیا۔ خود مولانا زاہد الراشدی صاحب کا طرز عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔
چنانچہ حال ہی میں مولانا کے بیٹے جناب عمار خان ناصر نے ''حدود و تعزیرات'' پر
کتاب کی تالیف کی جس میں انہوں نے پیغمبر اسلام کے بلند مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیچڑ
بھی اچھالا اور کئی طے شدہ اجماعی مسائل سے انحراف بھی کیا ہے۔ اس مختصر تبصرے
میں ان کے چند خرافات بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

1: **رجم کی شرعی حیثیت سے انکار:** عمر احمد عثمانی، امین احسن اصلاحی اور
جاوید احمد غامدی کی پیروی میں انہوں نے محصن کی حد رجم کا انکار کیا ہے۔

''سورۃ نساء کی آیت نمبر 15 میں زنا کے جن عادی مجرموں کے لئے عبوری

سزا بیان کی گئی ہے ان کا جرم چونکہ زنا کے عام مجرموں کے مقابلے میں کئی گناہ زیادہ سنگین تھا اور ان میں سے بالخصوص یاری آشنائی کا تعلق رکھنے والے بدکار جوڑے اس عرصے میں توبہ واصلاح کا موقع دیئے جانے کے باوجود اپنی روش سے باز نہیں آئے تھے۔ اس لئے عام مجرموں کے برخلاف زنا کے یہ عادی مجرم بدیہی طور پر اضافی سزاؤں کے بھی مستحق تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ ان کی جلاوطنی اور رجم کی اضافی سزائیں بھی نافذ کی جائیں۔ صدر اول سے اہل علم کی غالب ترین اکثریت کا نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ عبادہ بن صامت کی روایت اور اس کے علاوہ جلاوطنی اور رجم کی سزا سے متعلق دیگر روایات زنا کے عام مجرموں ہی سے متعلق ہیں اور متعدد روایات سے بظاہر اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔ اس رائے کے مطابق ان اضافی سزاؤں کو ہر طرح کے زانی پر قابل اطلاق مانا جائے تو یہ بات بظاہر قرآن مجید کے مدعا سے متجاوز قرار پاتی ہے۔"

(حدود وتعزیرات ص ۱۳۷ تا ۱۳۸)

2: **مرتد کی شرعی سزا کا انکار:** ارتداد کی سزائے موت پر امت کا اجماع ہے جب کہ انہوں نے دور حاضر میں ارتداد پر سزائے موت نافذ نہ کرنے کے ریاستی قوانین کو بالکل درست قرار دیا ہے۔

"دور جدید کی بیشتر مسلم ریاستوں میں ارتداد پر سزائے موت نافذ کرنے کا طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ جو ہماری رائے میں حکم کی علت کی رو سے بالکل درست ہے۔"

("حدود وتعزیرات" ارتداد کی سزا ص ۲۲۸)

3: **لعان دور نبوی کی عملی مجبوری تھی:** قرآن مجید کے واضح حکم "لعان" کے مقابلے میں دور حاضر کی طبی تحقیقات کو کافی قرار دیا ہے۔

"قدیم دور میں بچے کے نسب کی تحقیق کا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ چنانچہ لعان کے سوا اس معاملے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں لعان کا طریقہ اختیار کر کے بچے کے نسب کو عورت کے شوہر سے منقطع کرنا بجائے خود مقصود نہیں، بلکہ عملی مجبوری کا نتیجہ تھا۔ اب اگر دور جدید میں طبی ذرائع کی مدد سے بچے کے نسب کی تحقیق یقینی طور پر ممکن ہے اور اپنے نسب کا تحفظ بجائے خود بچے کا ایک جائز حق بھی ہے تو بیوی کے کہنے پر یا بڑا ہونے کے بعد خود بچے کے مطالبے پر ان ذرائع سے مدد لینا اور اگر ان کی رو سے بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت قرار پائے تو اسے قانونی لحاظ سے اس کا جائز بیٹا تسلیم کرنا ہر لحاظ سے شریعت کے منشاء کے مطابق ہوگا"۔

(حدود وتعزیرات، ص ۲۲۸ تا ۲۲۹)

4: **عورت کی نصف دیت کا انکار:** عورت کی نصف دیت جیسے اجماعی مسئلے کے بھی وہ منکر ہیں لکھتے ہیں۔

"اصول فقہ کے ایک طالب علم کو بحث میں فقہائے احناف کے اصولی منہج میں بے قاعدگیوں (Inconsistency) کے اس سوال سے بھی سابقہ پیش آتا ہے۔ جس کی مثالیں احناف آرا میں جا بجا پائی جاتی ہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ احناف مسلم اور غیر مسلم کے باہمی قصاص اور غیر مسلم کی دیت کے معاملے میں تو قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کی روشنی میں صحابہ کے فتاوی اور فیصلوں اور قانونی تعامل کو نظر انداز

کرتے یا ان کی توجیہ وتاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن عورت کی دیت کے معاملے میں قرآن مجید کے عموم، صحیح وصریح احادیث اور عقل وقیاس کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف عورت کی دیت کو مرد سے نصف قرار دیتے ہیں۔ بلکہ جراحات میں مرد اور عورت کے مابین سرے سے قصاص ہی کے قائل نہیں۔

(حدود وتعزیرات، ص105,106)

5: صحابہ رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں: اس میں مزید حدود سے تجاوز کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ صحابہ کا عورت کی نصف دیت پر اجماع کرنا زمانہ جاہلیت کے معاشرتی تصورات اور رسم ورواج سے متاثر ہونے کی بناء پر تھا اور اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی کوششیں صحابہ میں بارآور نہ ہوسکیں۔ لہذا اس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آئیڈیل اور معیار ہونے پر انہوں نے سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔

''اگرچہ عورت کے بارے میں جاہلی تصورات اور رسوم کی اصلاح کر دی گئی تاہم بعض تصورات جن میں عورت کی جان کی حرمت اور قدر وقیمت کے حوالے سے زیر بحث تصور بھی شامل ہے۔ کی اصلاح کی کوشش نتیجہ خیز اور موثر نہ ہوسکیں اور صحابہ و تابعین کو معروضی معاشرتی تناظر میں ایسے قوانین تجویز کرنا پڑے جن میں انہی سابقہ تصورات کی عملی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو''۔ (حدود وتعزیرات، ص105)

6: آگے لکھتے ہیں: ''منصوص احکام کے ساتھ ساتھ مستنبط اور اجتہادی قوانین واحکام کی وہ عملی صورت جو تاریخ اسلام کے صدر اول میں اختیار کی گئی مذہبی زاویہ نگاہ سے اس کے آئیڈیل اور معیار ہونے کی حیثیت پر سوالیہ نشان کھڑا ہو جاتا ہے''۔

(حدود وتعزیرات، ص105)

7: اجماع کا انکار: چنانچہ اجماع کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں ''اجماع'' کا تصور ایک علمی ''افسانہ'' ہے۔ جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے''۔ (مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص13)

8: ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ''صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جب کسی صاحب علم کو سابقہ آراء وتوجیہات پر اطمینان نہ ہو تو اسے اس بات کا پابند کرنا کہ وہ ''اجماع'' ہی کے دائرے میں اپنے آپ کو ضرور مطمئن کرنے کی کوشش کرے۔ ایک لایعنی بات ہے''۔ (مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص21)

9: صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن وتشنیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ممکن ہے مولانا محترم کا یہ مفروضہ منافقین کے بارے میں درست ہو۔ لیکن جہاں تک مخلص اور خداترس اہل ایمان کا تعلق ہے تو مستند روایات کی رو سے وہ ایسا (زنا بالجبر) کرنے کی پوری پوری جرات رکھتے تھے''۔

(مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص42)

10: ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

''اس معاشرے میں آپ کے تربیت یافتہ اور بلند کردار صحابہ کے علاوہ منافقین وتربیت سے محروم کمزور مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو مختلف اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا تھی۔ اس طرح کے گروہوں میں نہ صرف پیشہ

ورانہ بدکاری اور یار آشنائی کے تعلقات کی مثالیں پائی جاتی تھیں بلکہ اپنی مملوکہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کر کے ان کے ذریعے سے کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا"۔

(تنقیدات کا ایک جائزہ ص 43)

یہ اور اس طرح کے دیگر انحرافات کے باوجود "حدود وتعزیرات" نامی اس کتاب پر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے دیباچہ لکھا ہے اور اپنے بیٹے کے اس کاوش کو سراہا ہے۔ ان کا دیباچہ "الشریعہ" میں بھی شائع ہوا ہے۔ اگر اس میں غور وفکر کی جائے تو اس کی پوری عبارت ڈانواں ڈول نظر آتی ہے۔ ان کی تعبیرات میں پیچ وخم ہے اس میں حفظ ماتقدم کے لئے سابقے اور لاحقے کے طور پر "شرطیہ جملوں" اور "استثنائی تعبیرات" کا سہارا لیا گیا ہے اس غلط روش کی روک تھام کے بجائے آخر میں مولانا نے اہل علم سے اپیل کی ہے کہ وہ ان مسائل میں بحث ومباحثہ کو آگے بڑھائیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ اجماعی مسائل ہیں اجتہادی نہیں ہیں اس کے باوجود مولانا لکھتے ہیں۔

11: **عزیزم حافظ محمد عمار خان ناصر سلمہ** نے اس علمی کاوش کا سلسلہ آگے بڑھایا ہے۔ اور زیادہ وسیع تناظر میں حدود وتعزیرات اور ان کے متعلقہ امور ومسائل پر بحث کی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے ہر پہلو سے اتفاق کیا جائے۔ البتہ اس کاوش کا یہ حق ضرور بنتا ہے کہ اہل علم اس کا سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ بحث ومباحثہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں پر اظہار خیال کریں اور جہاں کوئی غلطی محسوس کریں۔ اسے انسانی فطرت کا تقاضا تصور کرتے ہوئے علمی مواخذہ کا حق استعمال کریں تاکہ صحیح نتیجے پر پہنچنے میں ان کی معاونت بھی شامل ہو جائے"۔ (حدود وتعزیرات، ص 13)

اسی "دیباچہ" میں مولانا زاہد الراشدی صاحب اپنے بیٹے کی تحریفات کو جواز فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

12: "**آج کے نوجوان اہل علم** جو اسلام کے چودہ سو سالہ ماضی اور جدید گلوبلائزیشن کے ثقافتی ماحول کے سنگم پر کھڑے ہیں۔ وہ نہ ماضی سے دست بردار ہونا چاہتے ہیں اور نہ مستقبل کے ناگزیر تقاضوں سے آنکھیں بند کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ ماضی کے علمی ورثہ کے ساتھ وابستگی برقرار رکھتے ہوئے قدیم وجدید میں تطبیق کی کوئی قابل قبول صورت نکل آئے، مگر انہیں دونوں جانب سے حوصلہ شکنی کا سامنا ہے اور وہ بیک وقت "قدامت پرستی" اور "تجدد پسندی" کے طعنوں کا ہدف ہیں۔ مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں اور ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں"۔

(حدود وتعزیرات، ص ۱۳)

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالمی ماحول اور جدید گلوبلائزیشن کے وہ کون سے تقاضے ہیں، جن کا مولانا زاہد الراشدی صاحب بار بار ذکر کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے وہ قدیم وجدید میں تطبیق اور قابل قبول صورت نکالنے کے خواہاں ہیں۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے۔ جب نعوذ باللہ اس سے پہلے اسلامی احکام جدید دور کے تقاضوں پر پورا نہ اترتے ہوں اور اب ان کو جدید کے مطابق بنانے کے لئے کوئی ایسی صورت نکالی جائے اور وہ صورت بھی قابل قبول ہو۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون سی اتھارٹی ہے جو قبولیت کے اس معیار کو مقرر کرے گی۔ ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ "دیباچہ" حدود وتعزیرات کی ایک ایسی کتاب کے لئے لکھا گیا ہے۔ جس میں

مغرب واہل استشراق کی طرف سے اسلامی حدود پر کئے گئے اعتراضات کو عملی جامہ پہنانے انہیں اسلامی احکام کا لبادہ اوڑھانے اور پوری فقہ اسلامی کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مولانا ایسے مرعوب ذہنوں کے دکھ درد اور مشکلات کو بھی سمجھتے ہیں اور دینی احکام کی کتر وبیونت پر ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

الشریعہ کے زیر تبصرہ شمارے میں ایک کالم نگار تبلیغی جماعت کے متعلق لکھتے ہیں۔

13: "**تبلیغی جماعت کے لوگوں کی سادگی** واخلاص اور محنت اپنی جگہ، لیکن اسلام کے کسی ایسے تصور کو صحیح کیسے سمجھا جاسکتا ہے جو امت کی اجتماعی' سیاسی اور تہذیبی زندگی سے صرف نظر کرتا ہو۔ اسے اہمیت نہ دیتا ہو اور ان پر منفی طور پر اثر انداز ہونے والے عوامل کے رد کو نہی عن المنکر کے اسلامی تصور کا حصہ نہ سمجھتا ہو۔ لہذا ہم تبلیغی جماعت اور اس سے ملتی جلتی تنظیموں کو اسلامی حوالے سے امت مسلمہ کے سیاسی اور تہذیبی مستقبل کے تناظر میں غیر مفید بلکہ نقصان دہ سمجھتے ہیں"۔ (ص 20،21)

حالانکہ وقت کے تمام اکابر نے تبلیغی جماعت کے کام پر اطمینان کا اظہار کیا ہے تبلیغی جماعت امت کی اجتماعی' سیاسی اور تہذیبی زندگی سے صرف نظر نہیں کرتی بلکہ افراد پر محنت کر کے اس کے لئے ماحول اور راہ ہموار کرتی ہے وہ ایسے افراد مہیا کرتی ہے جو اپنی نظریاتی وفکری زندگی کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں بھی اسلامائزیشن کے داعی ہوں۔ آپ کی سیاسی وفکری تنظیمیں اور افراد نے مل کر بھی اس دور میں اتنے نظریاتی وعملی زندگی سے بہرہ ور افراد مہیا نہیں کئے۔ جتنے ایک تبلیغی جماعت نے اخلاص وللٰہیت کو سامنے رکھتے ہوئے کئے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں انہوں نے

اسلامی لگن اور فکر کو عام کیا ہے اس دور کے "نام نہاد" فکری ونظریاتی افراد اور تنظیموں کے نام ونمود اور چودھراہٹ کی خاطر' اسلامی سیاست' نظریات وفہم اور تدبر کے حوالے سے معاشرے میں جو پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا کی ہیں۔ انہوں نے امت کو انتشار وتشتت کے علاوہ اور کیا دیا ہے۔ مثال کے لئے خود مضمون نگار مولانا زاہد الراشدی صاحب، عمار خان ناصر اور غامدی جیسے افراد ان کی اکیڈمیوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

ایک صاحب مجاہدین کے جذباتی رویہ پر تنقید کرتے ہیں اور انہیں اسلامی احکام کی پاسداری کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن خود ان کا اپنا اسلوب اسلامی احکام پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ ہے۔

14: "**دار الحرب ودار الاسلام کی تقسیم** کون سی آسمان سے نازل شدہ ہے کہ جس کا خلاف جائز نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فقہاء نے اپنے زمانوں میں مسلمانوں کو بعض مسائل سمجھانے کے لئے یہ تقسیم پیش کی تھی کہ جس کی شریعت سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے"۔ (ص:88)

الشریعہ کے ارباب اہتمام کی تحریروں اور الشریعہ کی فائلوں میں دینی طبقوں کے لئے "روایتی" "قدیم" "کلاسیکل" "قدامت پسند" "رجعت پسند" وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے اور اپنی تحریروں کو زرق برق بخشنے اور پرکشش بنانے کے لئے دیگر تجدد پسندوں کی طرح یہ حضرات بھی "عالمی ماحول" "عالمی ثقافت وتہذیب" "جدید قانونی فکر" "قدیم وجدید" "گلوبلائزیشن کے ثقافتی تقاضے" وغیرہ جیسے مغرب

سے درآمد شدہ اصطلاحات کا استعمال کرتے ہیں اور یہی ان کا منبع علم ہے۔ مصر میں بھی جدت پسندوں نے انہی اصطلاحات وتعبیرات کا استعمال کیا اور اسی کو انہوں نے کامیابی کا زینہ سمجھا۔

اس طرح کے تجاوزات اگر غیر مقلد، منکر حدیث، مودودی فکر سے وابستہ یا ان کے علاوہ کوئی اور آزاد منش لوگ کرتے تو ہماری طرف سے ان کی سختی سے تردید کی جاتی اور عوام الناس کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی لیکن کیا مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے بیٹے عمار خان ناصر کو دین اور اسلامی روایات کو توڑنے پھوڑنے کی اجازت اس لئے حاصل ہے کہ وہ ایک امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کے علی الترتیب بیٹے اور پوتے ہیں۔ جب کہ خود حضرت کی شبانہ روز کوششیں باطل عقائد ونظریات کا قلع قمع کرنے میں صرف ہوئی ہیں۔ ہم اس وقت وہی بات دہرائیں گے جو مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے تسامحات پر تنقید کرتے ہوئے کہی تھی۔

''میرا تو مقصود ہی اس سے ع ''حدی را تیز تر می خواں چو ذوق نغمہ کم یابی تھا'' یہی بتانا چاہتا تھا کہ خواہ وہ ہماری جماعت ہی کا آدمی کیوں نہ ہو۔ لوگوں میں اس کی بڑائی جس حد تک بھی مسلّم ہو۔ لیکن حق کا قدم جب درمیان میں آئے گا تو پھر کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔'' ولو ان فاطمۃ بنت محمد ،اعاذھا اللہ تعالی سرقت لقطعت یدھا'' ہمارے دین کا امتیازی نشان ہے۔

(پرانے چراغ، حصہ اول، ص ۸۷)

ہم سب سے پہلے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اکابر سے گزارش

کرتے ہیں کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب وفاق کی ''مجلس عاملۃ'' کے رکن ہیں۔ لہٰذا وہ حضرات انہیں فکری کجروی سے روکیں، اکابر دیوبند کے طرز فکر پر رہنے کی تلقین کریں اور اس کی پاسداری کا ان کو پابند بنائیں۔

اسی طرح ہمیں ''مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ'' کے اصحاب اہتمام سے بھی شکوہ ہے کہ ان کے شیخ الحدیث کی نگرانی میں اسلامی حدود سے تجاوزات اور انہیں موضوع بحث بنا کر جس انداز سے چیلنج کیا جارہا ہے۔ یہ اکابر دیوبند کے طرز واسلوب سے بھی میل نہیں کھاتا اور نہ ہی مدرسہ نصرۃ العلوم کے اکابر کے مزاج و مذاق اور اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس پر انہوں نے ابھی تک کسی قسم کا نوٹس نہیں لیا۔ وہ انہیں سمجھائیں اور نصرۃ العلوم کے دینی ومسلکی وقار کو برقرار رکھیں۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان، ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق مارچ 2009ء)

غامدیت کیا ہے؟

تاریخ اسلام میں اہل سنت والجماعت کے خلاف پیدا ہونے والے فتنوں میں سے قدیم فتنے رافضی، خارجی، معتزلہ اور دیگر بدعتی وغیرہ تھے۔ جن کی تفصیل کتب عقائد، شرح المقاصد، شرح مواقف، شرح عقائد وغیرہ میں موجود ہے۔

لیکن جدید دور کے جدید فتنوں مثلاً پرویزیت، قادیانیت، مودودیت، بریلویت، غیر مقلدیت (نام نہاد اہل حدیث) اور مماتیت کی طرح ایک نئے فتنے نے حال ہی میں روشن خیالی اور تجدد پسندی کی کوکھ سے ناجائز بچہ کی طرح جنم لے کر غامدیت کے نام سے سر اٹھا کر مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے میں مصروف عمل ہو چکا ہے۔

محققین کی رائے کے مطابق غامدیت: جس کا اصل مقصد قرآن و سنت کی پاکیزہ تعلیمات میں فتنہ پروری رخنہ اندازی کے ذریعہ سے بگاڑ وفساد، شکوک وشبہات پیدا کر کے دین اسلام کے روشن عقائد ونظریات کو تجدد اور آزاد خیالی کی سیاہی سے مسخ کرنے کی ناکام کوشش کا دوسرا نام ہے۔ (الامان والحفیظ)

مختصر تعارف چونکہ اس فتنہ کو نہ معلوم کن وجوہات اور مفادات کی بناء پر حکومت کی زبردست سرپرستی حاصل ہے۔ ڈاکٹر جاوید احمد غامدی جو کہ ضال ومضل آدمی بدقسمتی سے ''اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کا ممبر''، ٹی وی کا ''نام نہاد سکالر''

ماہنامہ ''اشراق'' کا مدیر، بے دین لوگوں کا ''رہبر'' اور یہودیت کے ایماء پر چلنے والے ''ادارہ المورد'' کا بانی ہے۔

ڈاکٹر غامدی علماء کی نظر میں: حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ العالی اپنے رسالہ **''تحفہ غامدی''** میں ارشاد فرماتے ہیں ''کہ اگر ہم مختصر ترین الفاظ میں غامدی صاحب کے بارہ میں تبصرہ کریں تو وہ یہ ہے کہ جو شخص بہت سی باتوں میں یہ سمجھتا ہے کہ چودہ صدیوں سے پوری اُمت گمراہی وضلالت میں مبتلا رہی اور جو دلیل کے نام کا استحصال کرتا ہے تو شریعت کا ہی نہیں بلکہ عقل ودانش کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ وہ شخص عقل وسمجھ سے بالکل عاری ہے۔''

ہماری کوشش ''یہی ہے کہ کوئی بات حق کے دائرے سے متجاوز نہ ہو کہیں کہیں ہمارے الفاظ میں ترشی ملے گی۔ لیکن غامدی صاحب تہذیب وثقافت کو بالائے طاق رکھ کر ہمارے بڑے یعنی آئمہ مجتہدین، فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ کو بہت کچھ کہہ جائیں تو یہ بھی تو غیرت کے منافی ہے کہ آدمی پر اس کا کچھ اثر نہ ہو۔ اس لئے ہمارے الفاظ ترش نظر آئیں تو ہمیں اس پر معذور سمجھیں اور ان کا ذمہ دار بھی غامدی صاحب کو ہی سمجھیں''، تحفہ غامدی، ص۲۰ (مزید فرماتے ہیں کہ)

چیونٹی کو لگے پر تو کہنے لگی اڑ کر
ہم بھی مثل سلیمان ہیں ہوا میں کئی دن سے

نیز فرماتے ہیں کہ غامدی صاحب کے برعکس ہمارا جس گروہ سے تعلق ہے اس کے بارہ میں غامدی صاحب لکھتے ہیں۔ ''ایک گروہ اس بات پر مصر ہوا کہ نہ دین کو

خاص اپنے مکتب فکر کے اصول ومبادی اور اپنے اکابر کی رائے سے بالاتر ہو کر براہ
راست قرآن وسنت سے سمجھنا ممکن ہے اور نہ ہی مغربی تہذیب اور اس کے علوم اس
کے مستحق ہیں کہ وہ کسی پہلو سے اہل دین کی نظروں میں ٹھہریں۔اس گروہ کے بڑوں
میں قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی، انور شاہ کشمیری، حسین احمد
مدنی، اشرف علی تھانوی اور شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ کے نام بہت نمایاں ہیں“۔

”اس گروہ کی عمر پوری ہو چکی۔اس کی مثال اس فرسودہ عمارت کی سی ہے جو
نئی تعمیر کے وقت آپ سے آپ ویران ہو جائے گی“۔غامدی کی کتاب ”مقامات“ ص ۱۸

”خیر آئندہ پردہ عدم سے وجود میں کیا آتا ہے یہ ہم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے
ہیں۔البتہ غامدی صاحب کے ذکر کردہ سبق نے ہمیں اس کے بارے میں کلام کرنے
کی ایک مشترکہ بنیاد فراہم کر دی ہے“۔الخ ”تحفہ غامدی“ ص ۶

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ
ترجمان اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ ماہنامہ ”الشریعہ“
گوجرانوالہ کی اشاعت خاص جولائی تا اکتوبر 2009ء میں غامدی صاحب اور
حافظ عمار خان ناصر کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

فکری المیہ

عصر حاضر کا سب سے بڑا فکری ونظریاتی المیہ یہ ہے کہ اس عہد جدید میں
ایک طرف تو اسلام کے متواتر واجماعی عقائد کی حقیقت پسندانہ اور واقفیت پر مبنی تعبیر و
تشریح کا پرچار کرنے اور اس ذریعہ سے دور حاضر کی امت مسلمہ کا فکری ونظریاتی رشتہ
قرون اولیٰ سے جوڑنے والے اصحاب علم وفکر علماء ودانشور تو قضاوقدر کے ہاتھوں مجبور
ہو کر تیزی کے ساتھ یہ دنیا خالی کر رہے ہیں۔جس سے علم وفکر کی مسندیں ویران ہو
رہی ہیں۔جب کہ دوسری طرف ان کی جگہ پروفیسرز، ڈاکٹرز اور جدید تعلیم یافتہ نام
نہاد دانشوروں کا وہ جدت پسند طبقہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ مفکرین
اسلام اور مذہبی اسکالروں کی صورت میں سامنے آ رہا ہے یا ایک سوچی سمجھی سازش کے
تحت سامنے لایا جا رہا ہے۔جو نئی روشن خیالی کے دلفریب وگمراہ کن عنوان سے اسلام
کی وہ مسخ شدہ تصویر پیش کر رہا ہے۔جس کے خدوخال کا کوئی بھی پہلو قرون اولیٰ کے
اعتقادی تصور اور اہل سنت والجماعت کے متواتر واجماعی فکر سے کسی قسم کی فکری و
نظریاتی مطابقت نہیں رکھتا۔جدید مفکرین کا یہ گروہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اسلام

دشمن قوتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا ہے اور اپنے جدید فکر و فلسفہ اور اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعہ امت مرحومہ کا فکری رشتہ قرون اولیٰ اور اہل سنت کے متواتر واجماعی فکر سے کاٹ دینا چاہتا ہے۔ اگرچہ ایسے جدت پسند ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں، لیکن اس دور میں تو عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص برساتی مینڈکوں کی طرح برآمد و نمودار ہو رہے ہیں۔

ہمارے ملک کے اندر جدت پسند تحریکوں کی پشت پر اسلام دشمن مغربی قوتیں، اشتراکیت کی ہم نوا اسکولر لابیاں اور اس ملک کی پچانوے فیصد اکثریت اہل سنت والجماعت کو ان کے آئینی وقانونی حق سے محروم کر دینے کی سازش کرنے والے کچھ مذہبی طبقات موجود ہیں۔ ارباب فکر ودانش کے لئے اس پہلو پر غور وفکر اور توجہ کرنے کی شدید ضرورت ہے کہ وہ اس بات کا کھوج لگائیں کہ کون سا خفیہ ہاتھ، کن خفیہ مقاصد کے لئے ان جدت پسند الحادی تحریکوں کے الحادی نظریات کے فروغ اور ان کی اشاعت کے لئے کروڑوں ڈالر کا ماہانہ خرچہ برداشت کر رہا ہے؟ بے حیائی، فحاشی، عریانی اور اخلاقی تباہی کو فروغ دینے والے جن ٹی وی چینلز پر اہل حق کو اپنا موقف ونظریہ اور اپنا نقطہ نظر بیان کرنے کے لئے چند منٹ کا وقت حاصل کرنا بھی دشوار ہے اور انٹرویوز کے دوران بھی ان کے نقطہ نظر کا اصل حصہ وقفہ کی نظر کر دیا جاتا ہے۔ ان ٹی وی چینلز پر جدید مفکرین کی گھنٹوں گفتگو کا بل آخر کون ادا کرتا ہے؟ اور کن مقاصد کے لئے؟ الخ.........

مزید فرماتے ہیں کہ یہ روشن خیال وجدت پسند طبقہ اپنے فکر و فلسفہ کے

ذریعہ جو مذموم مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ کسی بھی ہوش مند و باشعور مسلمان سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔ وہ اس فکر و فلسفہ کے ذریعہ قرآنی ونبوی علوم وافکار کو اپنے خود ساختہ تحقیقی اصولوں کی بھٹی میں جھونکنا چاہتا ہے اور ان کو اپنے تحقیقی تجربات کے لئے تختہ مشق بنا کر نئے نئے افکار ونظریات منظر عام پر لانا چاہتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ شہرت بھی حاصل ہو سکے اور ڈالر بھی۔ اُمت مسلمہ کی وحدت کو پارہ پارہ بھی کر سکے اور اس کا علمی وفکری رشتہ اس کے اسلاف سے بھی کاٹ سکے۔ خدا تعالیٰ ہر قسم کے روشن خیال جدت پسندوں کے شرور وفتن سے اُمت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

حافظ محمد عمار خان ناصر کی علمی بے راہ روی

میرے انتہائی پیارے عزیز اور بھتیجے (برادر مکرم علامہ زاہد الراشدی مدظلہ کے فرزند) حافظ محمد عمار خان ناصر بچپن ہی سے خداداد ذہانت کے مالک ہیں۔ قدرت نے انہیں بے پناہ ذہانت سے نوازا ہے۔ وہ بلا کا حافظہ رکھتے ہیں اور بچپن سے مطالعہ کا بھی ذوق وجنون ہے اور یہ فطرت کا قانون ہے کہ اگر کسی ذہین وفطین آدمی کو تربیتی سختیوں سے آزاد کر دیا جائے اور اسے نگرانی کے حصار میں نہ رکھا جائے تو اس کے بھٹکنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے۔ اور اس کے فکری بے راہ روی کا شکار ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ الخ.........

اجماع کے بارہ میں عمار خان ناصر کی علمی ٹھوکر

عزیزم عمار خان ناصر کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد ان کا تمام تر مطالعہ اسی فکر ونظر کے

حوالہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب ”حدود وتعزیرات، چند اہم مباحث“ کے نام سے لکھی جو غامدی صاحب کے ادارہ ”المورد“ سے شائع ہوئی۔ اس میں دیت اور زانی کی سزا کے بارے میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے وہ خالص غامدی نقطۂ نظر ہے جسے کسی صورت بھی اہل سنت والجماعت کا موقف تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور خود عزیزم عمار کو بھی اس پر اصرار نہیں کہ وہ جمہور اہل سنت کا موقف ہے۔ وہ بھی اسے جمہور کے خلاف اپنی ایک رائے قرار دیتے ہیں۔

مخدوم ومکرم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ

جامعہ مدنیہ لاہور نے اس پر گرفت کی اور ”مقام عبرت“ کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا اور ہمیں اس بات کا اعتراف واعلان کرنے میں کوئی باک وعار نہیں ہے کہ ان کی گرفت جمہور اہل سنت والجماعت کے اصول ومسلک کے عین مطابق ہے اور حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک وطرز تحقیق سے بھی مکمل مطابقت رکھتی ہے اور ہم ان کی طرف سے اس عالمانہ وناصحانہ گرفت پر ان کے انتہائی ممنون وشکر گزار ہیں۔ عزیزم ناصر صاحب نے اس کے جواب میں ایک رسالہ ”مفتی عبدالواحد صاحب کی تنقیدات کا جائزہ“ تحریر کیا اور اس میں مفتی صاحب مدظلہ کی طرف سے اٹھائے گئے خالص علمی اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ ہمارے خیال میں اسے لفظی ہیر پھیر کا نام تو دیا جا سکتا ہے لیکن جواب تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ باقی ابحاث تو فی الوقت ہم وقت کا ضیاع ہی سمجھتے ہیں کیونکہ جب تک کسی بنیادی اصول پر اتفاق ہی نہ ہو، ذیلی بحثوں کے چھیڑنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ عزیزم عمار ان مسائل میں بہت بڑی علمی ٹھوکر کھا چکے ہیں اور کھا رہے ہیں۔ الخ......

اجماعِ اُمت کے بارے میں

عزیزم عمار کی ذہنی کیفیت اور ان کے طرز استدلال کو سامنے رکھ لیجئے کہ وہ جس اجماع کے وقوع و وجود کا کسی بھی پہلو سے کوئی امکان تسلیم نہیں کرتے۔ اس کے بارے میں ”دوذہنی“ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک طرف قرآن وسنت کے بنیادی تصورات واحکام میں اجماع کو ممکن مانتے ہیں اور دوسری طرف نصوص واحکام کی تعبیر و تشریح میں اجماع کو غیر ممکن قرار دیتے ہیں۔ ان کے مذکورہ مفروضات واستدلالات کی روشنی میں ایک پہلو ممکن اور دوسرا کیسے ناممکن ہے؟ یہ فلسفہ ہمارے فہم سے بالا ہے۔ اس کی وضاحت وہی کر سکتے ہیں۔ البتہ اس مقام پر ان کا یہ ”انکشاف“ نہایت افسوس ناک ہے کہ جس اجماع کو آج تک پوری امت مسلمہ ایک ”شرعی دلیل“ کے طور پر پیش کرتی رہی ہے۔ اس اجماع کو وہ ”محض نفسیاتی دلیل“ قرار دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اجماع کو ”علمی افسانہ“ ثابت کرنے کے شوق میں چودہ سوسالہ اسلاف امت کے تحقیق ومطالعہ کو محدود وسطحی اور عامیانہ قرار دے کر ”المورد“ کی علمی وفکری لامحدودیت اور برتری کو ثابت کرنے کے چکر میں ہیں۔ عزیزم عمار کو اس پہلو پر نہایت سنجیدگی سے اپنے طرز فکر کا جائزہ لینا چاہیے۔

ہمارے خیال میں عزیزم عمار نے جو اتنی بڑی علمی ٹھوکر کھائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض اہم بنیادی حقائق کی طرف توجہ نہیں دے سکے۔ ہم ان حقائق کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ شاید اس طرح وہ اپنے افکار ونظریات پر از سر نو نظر ثانی

کرسکیں۔الخ.........

مزید فرماتے ہیں کہ ہر صاحب علم وشعور اس حقیقت سے واقف وباخبر ہے کہ قرون اولیٰ سے اہل سنت والجماعت کے ہاں اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک مستقل دلیل تسلیم کیا گیا ہے اور چودہ سو سال سے اس دلیل کے ذریعے بے شمار افکار و احکام کا اثبات کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چودہ صدیوں سے جس دلیل کے ذریعہ ان گنت مسائل کے اثبات ونفی کا کام لیا گیا ہے وہ محض ایک ''مفروضہ'' اور ''علمی افسانہ'' ہے۔؟ اور پھر عزیزم عمار کو یہ پہلو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ انہوں نے جب آئمہ کی عبارات سے استدلال کیا ہے وہ خود ''اجماع'' کو دلیل مانتے ہیں اور چاروں آئمہ مجتہدین دو چیزوں پر اصولی اتفاق رکھتے ہیں۔ پہلی یہ کہ اصول اہل سنت، اصول فقہ اور دلائل شرعیہ چار ہی ہیں اور دوسری یہ کہ قرآن وسنت اور اجماع کے مقابلہ میں کسی مجتہد کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ آخر وہ کون سا اجماع ہے جس کے مقابلہ میں کسی بھی مجتہد کے لئے اجتہاد کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور جس کے منکر کو فقہاء کرام کافر یا اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہیں؟

چودہ صدیوں سے اجماع کے بالمقابل کسی کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا۔

اس کے مقابلہ میں رائے دو ہی قسم کی ہو سکتی تھیں یا بغاوت یا اجتہادی لغزشیں۔ بغاوت وسرکشی کو تو ہمیشہ گمراہی وضلالت قرار دیا گیا ہے۔ البتہ اجماع کے مقابلہ میں کسی مسلمہ بزرگ کی رائے کو تفرد قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ رائے تو بہر حال غلط ہے۔ لیکن اس کے پیچھے صاحب رائے کی بدنیتی ثابت نہیں ہو سکی۔ اس لئے اس پر اسے مطعون

نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ عزیزم عمار کو بھی اس پر شکوہ ہے کہ کسی کی رائے کو تفرد قرار دے کر اس کی حیثیت کمزور کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

عام طور پر اہل علم کی ایسی آراء کو تفرد کہہ کر ان کی علمی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ ان آراء کو جزوی اطلاق کے لحاظ سے تو تفرد کہا جاسکتا ہے لیکن یہ کسی علمی بے اصولی یا حقیقی اور بنیادی مسلمات سے انحراف پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ مسلمات کے دائرہ میں معروف ومانوس علمی اصولوں ہی کے ایک نئے اطلاق سے وجود میں آتی ہیں۔ ظاہر یہ کہ یہ حتمی نہیں ہوتیں اور سابقہ آراء کی طرح ان سے بھی اتفاق یا اختلاف کی پوری گنجائش موجود ہوتی ہے لیکن محض اچھوتا ہونے کی بناء پر انہیں علمی روایت سے انحراف قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔ (تنقیدات کا جائزہ، ص۲۲)

عزیزم عمار کا یہ کہنا کہ اجماع کے مقابلہ میں کسی شخص کی رائے سے اتفاق یا اختلاف کی اتنی گنجائش ہوتی ہے جتنی کہ سابقہ یعنی اجماعی آراء سے اتفاق واختلاف کی۔ بہرحال محل نظر ہے، کیونکہ ایک رائے پر (اگر بقول عزیزم عمار اجماع کی معروف تعریف اس پر نہ بھی تسلیم کی جائے) کثیر اہل علم وتحقیق کا اتفاق ہے اور دوسری رائے فرد واحد کی ہو۔ دونوں سے اتفاق واختلاف کی مساویانہ گنجائش ناقابل فہم ہے۔ اور پھر شخصی رائے کو اجماع کے مقابلہ میں علمی بے اصولی یا حقیقی وبنیادی مسلمات سے انحراف تسلیم نہ کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ عزیزم عمار اجماعی واتفاقی رائے تسلیم کرنے کی بجائے اسے صرف معروف ومانوس قرار دیتے ہیں۔ بہرحال ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجماعی رائے یا بقول عزیزم عمار معروف ومانوس رائے کے مقابلہ میں تفردات کو

بھی کبھی قبول نہیں کیا گیا۔ چنانچہ

برادر مکرم حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی مدظلہ فرماتے ہیں

کہ ''آج کے نوجوان اہل علم جو اسلام کے چودہ سو سالہ ماضی اور جدید گلوبلائزیشن کے ثقافتی ماحول کے سنگم پر کھڑے ہیں وہ نہ ماضی سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں اور نہ مستقبل کے ناگزیر تقاضوں سے آنکھیں بند کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ ماضی کے علمی ورثہ کے ساتھ وابستگی برقرار رکھتے ہوئے قدیم وجدید میں تطبیق کی کوئی قابل قبول صورت نکل آئے مگر انہیں دونوں جانب سے حوصلہ شکنی کا سامنا ہے۔ اور بیک وقت قدامت پسندی اور تجدد پسندی کے طعنوں کا ہدف ہے۔ مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے، میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں اور **''ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتا ہوں''**

صرف ایک شرط کے ساتھ کہ امت کے اجتماعی تعامل اور اہل سنت و الجماعت کے علمی مسلمات کا **دائرہ کراس نہ ہو**، کیونکہ اس دائرے سے آگے بہر حال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے''۔ (حدود وتعزیرات، ص ۱۳)

برادر محترم علامہ راشدی مدظلہ کے مذکورہ ہمدردانہ دردمندانہ موقف میں چند تحفظات کے باوجود ہمیں ان کی اس شرط سے کلی اتفاق ہے کہ امت کے اجماعی تعامل میں اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کرنے والے ''تفردات'' کو نہ پہلے کبھی قبول کیا گیا ہے اور نہ اب اس کی کوئی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس سے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے۔ اور تفردات گمراہی کب بنتے

ہیں؟ جب انہیں اپنی ذات سے باہر لا کر ان کی اشاعت وترویج کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ زاہد الراشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

''اور تفردات کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ ہر صاحب علم کا حق ہے جس کا احترام کیا جانا چاہیے۔ بشرطیکہ وہ ان کی ذات یا ان کے حلقہ تک محدود رہے۔ البتہ اگر کسی تفرد کو جمہور اہل علم کی رائے کے علی الرغم سوسائٹی پر مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ فکری انتشار اور ایک نئے مکتب فکر کے قیام کا سبب بنتا ہے اور یہی وہ نقطہ اور مقام ہے جہاں ہمارے بہت سے قابل قدر اور لائق احترام مفکرین نے ٹھوکر کھائی ہے اور امت کے اجتماعی علمی دھارے سے کٹ کر جداگانہ فکری حلقوں کے قیام کا باعث بنے ہیں۔ (ایک علمی وفکری مکالمہ، ص ۱۲)

یعنی تفردات کو جب پبلک کے اندر لانے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک نیا مکتب فکر بن کر گمراہی کا باعث بنتے ہیں لیکن اس مقام پر ہمیں

برادر مکرم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کے اس موقف سے شدید اختلاف ہے

کہ ''تفردات ہر صاحب علم کا حق ہے'' ہمارے خیال میں تفردات کا قائم کرنا حق نہیں ہے، معذوری ہے۔ کیونکہ حق قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دروازے ہمیشہ کے لئے ہر صاحب علم کے لئے کھلے ہیں۔ جب کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ماضی کے اہل علم کے تفردات کو ان کا حق تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ان کی معذوری قرار دیا گیا ہے اور خود برادر مکرم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ امت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کر کے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے اور ان مسلمات کے بالمقابل رائے و تفرد کو اگر سوسائٹی تک

لے آیا جائے تو فکری انتشار کے ساتھ ایک نیا مکتب فکر جنم لیتا ہے۔ الخ............

امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اعتدال اور عمار خان ناصر

عزیزم عمار خان ناصر کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد تمام تر مطالعہ غالباً اسی فکر ونظر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ بھی اسی تناظر میں کیا ہے اور اس مطالعہ کے ذریعہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے فکر وموقف کو سمجھنے کی بجائے غامدی صاحب کے جدت پسندانہ طرز فکر کے لئے دفاعی مواد تلاش کرنے اور اس کے لئے جواز کی صورتیں پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد عزیزم عمار کے قلم سے اس کا جو نتیجہ سامنے آیا ہے، اس میں حقیقت پسندانہ رنگ کہیں نظر نہیں آتا اور شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ حقیقی وواقعی نتیجہ اخذ کرنے سے محروم وقاصر رہے ہیں۔

غالباً ان کی اس ساری کاوش کا محور غامدی صاحب کی علمی حیثیت کو مسلم کرانا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے کسی زیر تسوید مضمون کا ایک اقتباس ہفت روزہ ''وزارت'' لاہور کی ۱۰ تا ۲۳ جون ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں ''امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اعتدال'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جس میں فرماتے ہیں کہ

امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اپنی آراء ونظریات میں جمہور اہل علم کے موقف کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کسی بھی علمی یا فقہی مسئلہ میں جمہور اُمت جس رائے کی تائید کریں وہ اقرب الی الحق اور

قرین صواب ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں زیر بحث آنے والے کم وبیش تمام مسائل کی تحقیق میں اس زاویہ نگاہ کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے تلامذہ اور متعلقین کو بھی یہی ہدایت کرتے تھے کہ مختلف گمراہ کن نظریات کے اثرات سے بچنے کے لئے جمہور علمائے امت کی تحقیقات کا دامن تھامے رکھنا ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔ تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جسے وہ پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اس نکتہ کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بلند فکری اور ذہنی معیار رکھنے والے اہل علم اور محققین بسا اوقات کسی مسئلہ میں عام رائے پر اطمینان محسوس نہیں کرتے اور ان کا غور وفکر انہیں معروف ومانوس نقطہ نظر سے مختلف رجحان اختیار کرنے پر آمادہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ ایسے اہل علم کے لئے جن کی علمی حیثیت مسلّم ہو، عام آراء سے اختلاف یا تفرد کا حق بھی پوری طرح تسلیم کرتے تھے، بشرطیکہ اس اختلاف کو علمی حدود میں رکھا جائے اور اس کی وجہ سے جمہور اہل علم پر طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔

اس کے بعد عزیزم عمار نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتب سے چند اقتباسات وعبارات اور ان پر اپنے اخذ کردہ ذہنی تاثرات نقل کئے ہیں اور آخر میں اپنا حتمی ذہنی نتیجہ بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ

''مذکورہ امور کی روشنی میں میرے نزدیک امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے موقف اور نظریہ کی درست تعبیر یہ بنتی ہے کہ وہ اصولی طور پر جمہور اہل علم کی آراء وتعبیرات کو ہی درست سمجھتے اور اپنے لئے اس پابندی کو بالعموم ضروری تصور کرتے ہیں، تاہم اہل علم کے لئے دلائل کی روشنی میں انفرادی رجحانات کا حق بھی تسلیم کرتے تھے اور جمہور سے محض علمی اختلافات کو اہل سنت کے منہج سے انحراف یا گمراہی قرار نہیں دیتے تھے''۔

عزیزم عمار کے ذہن نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی چند عبارات سے جو نتائج اخذ کئے، وہ ہم نے بے کم و کاست نقل کر دیئے ہیں۔ ہم ان نتائج پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

نکتہ اولیٰ: اس مقام پر سب سے پہلا قابل توجہ نکتہ یہ ہے عزیزم عمار بڑے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت شیخ کا مختار، پسندیدہ اور تلقین کردہ مسلک و موقف اسلاف کی تحقیقات سے وابستہ رہنے اور دوسروں کو ان سے وابستہ رکھنے ہی کا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گمراہ کن نظریات اور ان کے تباہ کن اثرات سے بچنے اور دیگر مسلمانوں کو ان سے بچانے کے لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمہور علمائے امت کی تحقیقات و تعلیمات سے وابستگی ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف و نظریہ کسی وقتی و ہنگامی سوچ کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ان کا ساٹھ سالہ تحقیق و مطالعہ اور غور و فکر کارفرما ہے۔ گویا یہ ان کی ساٹھ سالہ تحقیق و مطالعہ، غور و فکر اور تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہے۔ اس کے بعد بھی اگر ان پر علمی اعتماد کرنے والا کوئی شخص تحقیقات اسلاف کا محفوظ و محتاط راستہ ترک کر کے کوئی غیر محفوظ و غیر محتاط راستہ تلاش کرے تو اسے کم سے کم درجہ میں اس کا غیر دانش مندانہ طرز ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

نکتہ ثانیہ: اس مقام پر دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک امت کے اجماعی مسلک اور جمہور امت کے مسلک میں بڑا واضح اور نمایاں فرق ہے۔ ان کے نزدیک اجماعی مسلک کا مطلب یہ ہے کہ اس موقف و نظریہ پر

پوری اُمت متفق ہے اور اس میں پہلے سے کسی قسم کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔ ایسے کسی اجماعی مسئلہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ کسی کا حق اختلاف تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اختلاف کرنے والے کو گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں اور مسلک جمہور کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اُمت کے اہل علم و تحقیق کا اختلاف پایا گیا ہے اور اس اختلاف میں ایک طرف اہل علم کی اکثریت یعنی جمہور ہے اور دوسری طرف اہل علم کی ایک قلیل تعداد پائی گئی ہے۔ ایسے اختلافی مسائل میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ خود بھی مسلک جمہور پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مسلک جمہور پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی اہل علم و تحقیق مسلک جمہور سے ہٹ کر کوئی دوسرا مسلک (جو پہلے موجود ہو) اختیار کرے تو اسے گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیتے اور اسے مسلک جمہور اور جمہور ائمہ اہل سنت پر زبان طعن کھولنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ عزیزم عمار نے ''سماع الموتی ص ۶۴'' سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف نقل کیا ہے کہ ''ہم جمہور کو شرع کی پانچویں دلیل نہیں مانتے۔ ادلہ شرعیہ چار ہی ہیں''۔ گویا جمہور کے مسلک پر عمل کرنا شرعی دلیل کے حوالے سے نہیں بلکہ شرعی احتیاط کے طور پر ہے، کیونکہ ہم کتنے ہی ذہین و فطین کیوں نہ ہوں، جمہور اہل علم کی رائے، علم و فہم اور امانت و دیانت کے اعتبار سے بہرحال ہماری رائے پر فائق و برتر ہے، اس لئے قبول کر لینا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اور ہمارے خیال میں اتبعوا السواد الاعظم کے فرمانِ نبوی میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اختلافی مسائل میں امت کے سوادِ اعظم یعنی جمہور کی اتباع کی جائے۔

نکتہ ثالثہ: اس مقام پر تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عزیزم عمار نے ایک جملہ اپنی عبارت میں ایسا لکھا ہے جس نے ہمیں چونکا دیا ہے اور اگر انہوں نے یہ جملہ شعوری طور پر لکھا ہے تو ہمارے نزدیک نہ صرف خطرناک ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”بلندی فکر و ذہنی معیار رکھنے والے اہل علم وتحقیق اگر معروف و مانوس موقف کے خلاف کوئی رائے قائم کرلیں“۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ

عزیزم عمار کے نزدیک جمہور اُمت کے معروف و مانوس مسلک پر عمل کرنے والے اہل علم نہ تو بلندی ءفکر رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا ذہنی معیار ہے۔ کس قدر تعجب وحیرت کی بات ہے کہ اسلاف امت کے فکر تک رسائی حاصل کرنے والے تو بلندی ءفکر اور ذہنی معیار سے محروم ہیں اور اپنی ناقص و نارسا عقل سے سرٹکرانے والے بلند فکر بھی ہیں اور ذہنی معیار بھی رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ہم عزیزم عمار کی توجہ بار بار **اس خطرناک جملہ** کی طرف دلانا چاہیں گے جس کا نتیجہ بظاہر یہ سامنے آتا ہے کہ **دادا تو بلندی ءفکر اور ذہنی معیار** دونوں سے محروم تھا، جبکہ **پوتا بلندی ءفکر** کی دولت سے مالا مال ہے اور ذہنی معیار کی نعمت سے بھی۔ اور ایسا شاید اس لئے ہوگیا ہے کہ دادا کی نسبت فکری طور پر **اسلاف اُمت اور بزرگان دیوبند** کی طرف سے اور پوتا ڈاکٹر **جاوید احمد غامدی** جیسے مفکر اعظم سے فکری نسبت رکھتا ہے اور دونوں کا بھلا جوڑ ہی کیا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (از مرتب)

ہم لاکھ مہذب ہوں مگر تم ہی بتاؤ ☆ جب ضبط کا پیمانہ چھلکتا ہی چلا جائے

بشکریہ ”الشریعہ“ خصوصی اشاعت، بیاد امام اہل سنت رحمہ اللہ، ص ۶۸۳ جولائی، اکتوبر 2009ء

حضرت مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ، کراچی

فکری ارتداد یہ ہے کہ اللہ کے احکام (حدود اللہ) کی پامالی جو آج کے ”تھینک ٹینکس“ کا برپا کردہ عظیم ترین فتنہ ہے۔ اس سے جو وسوسے جنم لیتے ہیں ان کی بناء پر آدمی صبح کو مسلمان ہوتا ہے، شام کو کافر۔ شام کو مسلمان ہوتا ہے تو صبح کو کافر۔ اس فتنے کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو حضرت علامہ دوراں **جاوید احمد غامدی** اور ان کے تیار کردہ لاجواب قسم کے باکمال فتنہ پردازوں کے پروگراموں میں دیکھ لیجیے۔ جہاں سیدھے سادھے نوجوانوں سے سوال ہوتے ہیں: خدا کا وجود ہے بھی یا نہیں؟ حدود کی تعریف کیا ہے اور یہ تعریف کس نے کی ہے؟ چہرے کے پردے کا تکلف کس نے جاری کیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان لوگوں کی بدنصیبی یہ ہے کہ ان کے پروگراموں کی فہرست دیکھ لیجیے۔ ایک بھی تعمیری عنوان نہیں ملے گا۔ اصلاحی موضوعات سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کا سارا زور تشکیک پھیلانے اور وسوسہ پیدا کرنے پر ہے۔ کوئی دنیادار مسلمان دین کی طرف آجائے۔ اس کی ان کو فکر نہیں۔ سارا زور اس پر ہے کہ جو بچے کھچے مسلمان دین پر ٹوٹا پھوٹا عمل کررہے ہیں وہ کسی طرح سے آزاد خیال ہوجائیں۔ طہارت کے مسائل نہ جاننے والوں کو علمی کلامی مباحث میں الجھانے کا آخر اور کیا مطلب ہوسکتا ہے؟

تو جناب مَن شراب وزنا کو حلال اور سود و جوئے کو جائز سمجھنے والے اور سنت نبوی ﷺ کو حقیر جاننے والے وہ بدنصیب روشن خیال ہوں گے جو حضرت مہدی کی تلوار کا شکار ہوں گے یہی فکری ارتداد کا انجام ہے۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔

ارتدادی فتنے کا کمال یہ ہے کہ فتنہ باز پروفیسروں اور اسکالروں کے مذاکرے اور مباحثے سننے والے لوگ کفریہ کاموں اور کفریہ نظریات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کفریہ کام تو پھر بھی توجہ دلانے سے سمجھ آجاتے ہیں۔ کفر کے نظریات کا کانٹا لاکھ سمجھاؤ دل سے نہیں نکلتا۔ اس لئے میرے بھائیو! اللہ کے واسطے اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ ایمان والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ انہی کی صحبت میں بیٹھو۔ انہی کی روش اختیار کرو۔ ایمان کے ڈاکو بڑے چالباز ہوتے ہیں۔ دایاں دکھا کر بایاں مارتے ہیں۔ خبر بھی نہیں ہوتی کہ متاع عزیز لوٹ لیتے ہیں۔ پروگرام ختم نہیں ہو چکا ہوتا کہ ایمان ٹھکانے لگ چکا ہوتا ہے۔ خدا کے لئے خود پر رحم کرو۔ کہیں موت کے وقت کلمہ کی دولت ہاتھ سے نہ جاتی رہے۔ (دجال کون؟ ص ۷، مطبوعہ دارالسعید، کراچی)

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا اداریہ نگار لکھتا ہے۔

منکر حدیث غامدی: اسلام آباد میں ایک تعلیمی کانفرنس کے دوران جہاں (سابق) وزیراعظم شوکت عزیز بھی تقریب میں موجود تھے۔ محقق اور دانشور علامہ جاوید الغامدی جو کہ حال ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل آف پاکستان کے رکن مقرر کئے گئے ہیں، نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "قرآن حکیم اور اسلامیات کی تعلیمات بچوں کو دوسری جماعت کے بجائے پانچویں جماعت کے بعد شروع کی جانی چاہئیں"۔ معاذ اللہ

(سابق) وزیراعظم شوکت عزیز نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ قرآن حکیم اور اسلامیات کی تعلیم دوسری جماعت کے بعد بچوں کو شروع کرائی جانی چاہیے۔ جبکہ وفاقی حکومت اس تجویز پر مسلسل احتجاج کر رہی ہے کہ بچوں کو اسلامیات

تیسری جماعت کے بعد پڑھائی جائے اور مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ابتداء ہی سے قرآن حکیم اور اسلامی تعلیمات شروع کرا دینی چاہئیں۔ مگر اس کے جواب میں علامہ جاوید الغامدی نے روشن خیالی اور جدید خیالات کی حامل وفاقی حکومت سے بھی کئی قدم آگے چل کر ایسے خیالات پیش کئے ہیں۔ جن کو پڑھ کر عام آدمی حیران ہے کہ جب عہد حاضر کے جدت پسند جدید علماء ہی اس حد تک آگے چلے جائیں تو آدمی امریکہ اور اس کے دریوزہ گر حکمرانوں پر کیا الزام دھرے۔

مسلمان بچوں کی اسلامی تعلیمات تو ماں کی گود میں ہی شروع ہو جاتی ہے۔ جب ان کی مائیں انہیں بولنے کے لئے کلمہ طیبہ اور بسم اللہ سکھاتی ہیں۔ ویسے بھی انسانی ذہن کی تشکیل تین سے آٹھ سال کی عمر میں مکمل ہوتی ہے اور بعد ازاں اس کی نشو ونما جاری رہتی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت ایک منافع بخش نوکری ہے

مگر ایسی بھی نہیں کہ اس کے لئے علامہ جاوید الغامدی قرآن حکیم اور اسلامیات کی تعلیم کو فرقہ واریت اور محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے ہر روز ٹی وی مباحثوں میں نئی نئی اختراعات کرنے اور حاکموں کا قرب حاصل کرنے کے لئے اسے دین اور علم کی جڑیں نہیں کاٹنی چاہئیں۔ جس کی وجہ سے انہیں یہ عزت حاصل ہے۔ علامہ صاحب کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علمائے حق کبھی حکومتوں کی حمایت میں اس قدر سرگرم اور پرجوش نہیں ہوا کرتے۔ خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھ کر ٹی وی چینل کی چکا چوند روشنیوں میں اسلام کی یہ بخیہ دری کم از کم علامہ جاوید غامدی کو زیب

نہیں دیتی۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور کا اداراتی شذرہ۔ مورخہ 5 جون 2006ء)

غامدی مذہب کیا ہے: مولانا پروفیسر محمد رفیق چوہدری رقم طراز ہیں کہ

"مجھے قابل احترام علمائے کرام سے یہ گذارش کرنی ہے، کہ انہوں نے جس طرح ہر دور میں باطل فتنوں کی سرکوبی فرمائی ہے۔ اب غامدیت کے اس نوزائیدہ فتنے کا بھی تعاقب کر کے اس کا بھی قلع قمع فرمائیں جو ہمارے ہاں ٹی وی کی سکرین پر چند بے دین سرمایہ داروں کے نظر کرم اور حکومتی سرکار کی سرپرستی میں پھیلا جا رہا ہے"۔

(غامدی مذہب کیا ہے۔ ص ۱۸)

مزید لکھتے ہیں کہ "جاوید غامدی صاحب کے عقائد ونظریات امت مسلمہ، علمائے اسلام کے متفقہ اجماعی عقائد اور اعمال سے بالکل الگ اور مختلف ہیں انہوں نے سبیل المومنین کو چھوڑ کر غیر سبیل المومنین کو اختیار کیا ہے"۔ (ایضاً ص ۲۴۷)

قارئین کرام! جاوید غامدی اس حلقہ فکر فراہی واصلاحی کے ایک نمائندہ فرد ہیں۔ جس نے دور حاضر میں تجدد اور انکار حدیث کی نئی طرح ڈالی ہے اور اپنے چند خود ساختہ خانہ ساز اصولوں کو تحقیق کے نام پر پیش کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

موجودہ مادی دور میں ہر مادیت پسند فرد مغربی تہذیب کی چمک دمک سے انتہائی مرعوب ومتاثر ہے۔ مغرب اپنے سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں پوری قوت ومستعدی سے کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں اسے کافی کامیابی حاصل ہو رہی ہے۔ جس کا سبب ایک تو مسلمان حکومتوں کا مغرب کی غیر مشروط اطاعت اور غلامی کو اختیار کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمان "سکالرز" بھی علم وتحقیق کے نام پر مغربی تہذیب کو قرآن وسنت سے کشید کر کے اسے تقویت پہنچا رہے ہیں۔

افسوس صد افسوس جاوید احمد غامدی صاحب اور غامدیت نواز سوچ وفکر اور اس کے افکار ونظریات کے امین کرم فرماؤں اور متبعین پر جن کا شمار بھی انہیں "سکالرز" میں ہوتا ہے جن کی تجدد پسندی، آزادی خیالی، بے راہ روی، نام نہاد نادر تشریحات اور علمی تحقیقات سے دانستہ یا نادانستہ طور پر کافرانہ مغربی تہذیب کی اشاعت وترویج کی بھرپور تائید ہو رہی ہے۔

۔ مجھے راہزنوں سے گلہ نہیں تیری راہبری کا سوال ہے

مقتدر علماء کرام ومشائخ عظام وارباب علم ودانش کی عدالت میں دردمندانہ درخواست

بقول ماہنامہ وفاق المدارس کہ، کیا مولانا زاہد الراشدی صاحب اور ان کے بیٹے عمار خان ناصر کو دین اور اسلامی روایات توڑنے پھوڑنے کی اجازت اس لئے حاصل ہے کہ وہ امام اہل سنت حضرت اقدس مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے علی الترتیب بیٹے اور پوتے ہیں۔ جبکہ خود حضرت کی شبانہ روز کوششیں باطل عقائد و نظریات کا قلع قمع کرنے میں صرف ہوئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ من جمیع اھلسنۃ والجماعۃ

گرامی قدر! اکابر علماء دیوبند کے طرز اسلوب اور مزاج سے مطابقت نہ رکھنے کی وجہ سے

اپنے دینی پروگراموں میں مولانا زاہد الراشدی صاحب کو دعوت دینے سے اجتناب فرمائیں

کیونکہ ہمیں شخصیات سے زیادہ عقائد ونظریات مقدس اور عزیز ہیں۔ ورنہ ہمیں ہماری قوم بھی انہی کا ہم نوا کہنے میں حق بجانب ہوگی۔ یہی ہمارے اکابر امت

کا امتیازی نشان رہا ہے ورنہ.......... زمانہ ہمیں یہی کہے گا کہ:۔

رحمۃ اللہ علیہ کھو دی ہم نے وہ میراث جو اکابر سے پائی تھی

ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا

آخری گذارش! آپ تمام علماء مشائخ سے مودبانہ عرض ہے کہ ان مسائل کے سد باب کے لئے متفقہ طور پر ٹھوس قدم اٹھائیں اور عوام الناس میں مسلک حق کی اشاعت کے لئے بھرپور کردار ادا فرمائیں۔ نیز علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ، پی ایچ ڈی لندن کی تصانیف اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف بالخصوص ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ''دل کا سرور'' گلدستہ توحید'' ازالۃ الریب'' راہ سنت'' اور قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین'' وکیل احناف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی'' علامہ محمد یوسف لدھیانوی شہید'' شیخ القرآن حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی'' خطیب یورپ وایشیا علامہ محمد ضیاء القاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا جدید و قدیم فتنوں کے تعاقب کے لئے گہرا مطالعہ رکھیں اور سنی قوم کو فکری اعتزال سے بچانے کی کوششیں جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل کی برکات سے اُمت کو نفع عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اُمت مسلمہ کے عقائد ونظریات کی حفاظت فرمائے۔ آمین

بجاہ النبی الکریم صلیٰ اللہ علیہ و آلہ واصحابہ وسلم۔ فقط والسلام

ایک حقیقت ہے جو ہونا چاہتی تھی آشکارا   مدعا میرا کسی کی آبرو ریزی نہیں

خیر اندیش: خادم اہل سنت: **محمد عبدالرحیم چاریاری**

جامعہ حنفیہ، امداد ٹاؤن، شیخوپورہ روڈ، فیصل آباد 1-11-2009

حق کا گلستان

یوں حق گو، باطل کو کھٹکتا ہی رہے گا
پر حق کا گلستان مہکتا ہی رہے گا

الحاد کے صحراؤں میں ویرانی رہے گی
غنچہ یہ اہل سنت کا چٹکتا ہی رہے گا

جل جائیں گے اس نور کو خود پھونکنے والے
یہ خورشید ہدایت کا چمکتا ہی رہے گا

جو علم نبوت سے کرے دوستو اعراض
وہ جہل کی وادی میں بھٹکتا ہی رہے گا

گو لاکھ بُرا چاہے، بُرا کر نہیں سکتا
دشمن کے تو اعصاب پہ سکتہ ہی رہے گا

زاغانِ نفاق ایک دن ہو جائیں گے خاموش
ہر بلبلِ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم چہکتا ہی رہے گا

ہو کفر کا طوفان کہ ہو شرک کی آندھی
ایمان کا شعلہ تو دہکتا ہی رہے گا

سرسبز رہے کیوں نہ آخر گلشنِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم
مومن کہ لہو اس پہ، چھڑکتا ہی رہے گا

المرسل: حافظ محمد عمر چاریاری

عقائدِ اہلسنت اور مولانا زاہد الراشدی صاحب کی

جلد ہی چھپ کر منظرِ عام پر۔ ان شاء اللہ

رابطہ: 0321-7837313

جامعہ حنفیہ امداد ٹاؤن شیخوپورہ روڈ فیصل آباد۔ پاکستان

(40) ''شہداء کربلا اور شہادت حسین سو فیصد افسانہ تراشی ہے''۔(ایضاً)

(41) ''تصوف اسلام سے الگ ایک متوازی دین ہے۔''

''تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے جسے دین خداوندی کی روح اور حقیقت کے نام سے اس امت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

(برہان، ص ۱۰۰، طبع جون 2000ء)

(42) ''مسلمانوں کے تمام صوفیاء غیر مُسلم ہیں۔''

غامدی صاحب کے اس فتوے کے بعد کہ:

''تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے''۔

(برہان، ص ۱۸۸، طبع جون 2006ء)

امت مسلمہ کے تمام صوفیاء کرام دین اسلام سے خارج ٗ کافر اور غیر مسلم قرار پاتے ہیں۔

(43) ''شمالی افریقہ کے مسلم ممالک (مراکش ٗ الجزائر ٗ تیونس ٗ لیبیا وغیرہ) کے مسلمان اصلی قرآن مجید کو چھوڑنے کی وجہ سے غیر مسلم ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قرات ورش اختیار کرنے اور قرات عامہ ''قرات امام حفص'' کو چھوڑنے کے مرتکب ہو کر قرآن کے منکر ہو چکے ہیں لہذا وہ سب کافر ہیں۔

غامدی صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ

''قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے۔ اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں اُمت مسلمہ کے عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قرات کے مطابق کی جاتی ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسری قرات نہ

قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے۔''

(میزان، ص ۵۲، ۶۲، طبع دوم، اپریل 2002ء، لاہور)

(44) ''اقامت دین یعنی دین کو قائم کرنے اور دین شریعت کا نفاذ کرنے کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے۔'' (برہان، ص ۱۴۷، طبع جون 2006ء)

(45) افغانستان اور عراق میں خود کُش حملے جائز نہیں ہیں۔''

(اشراق، ص ۴۱، ۴۲، شمارہ اپریل 2003ء)

(46) ''نبی پاک ﷺ کی رحلت کے بعد کسی کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا''۔

اشراق، ص ۵۴، ۵۵، شمارہ دسمبر 2000ء)

(47) ''حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔''

(میزان، ص ۶۴، طبع دوم، شمارہ اپریل 2002ء)

(48) ''دین کے مصادر و ماٰخذ قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف ہیں''۔

(میزان، ص ۴۸، طبع دوم، شمارہ اپریل 2002ء)

(49) ''سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور اس کا استعمال شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔'' (اشراق، ص ۷۹، شمارہ اکتوبر 1998ء)

(50) ''غیر مسلم بھی مسلمانوں کے بارے میں اچھا سوچ سکتے ہیں''۔

(میزان، ص ۱۷۱، طبع دوم، شمارہ اپریل 2002ء)